آئینہ مظاہر علوم

اگست ۲۰۲۴ء

جلد 33 شمارہ 8

ماہنامہ آئینہ مظاہر علوم
سہارن پور (یوپی)

زیر سرپرستی

حضرت مولانا محمد سعیدی حفظہ اللہ

ناظم و متولی مدرسہ مظاہر علوم وقف سہارنپور

مدیر مسئول

محمد ریاض الحسن مظاہری

مدیر تحریر

ناصر الدین مظاہری

دفتر ماہنامہ آئینہ مظاہر علوم (وقف)
مدرسہ مظاہر علوم وقف سہارنپور

MONTHLY
Aaina-e-mazahir Uloom (WAQF)
SAHARANPUR PIN-247001 (U.P.) INDIA

ICICI BANK A/C 019101001261 IFSC CODE ICICI0000191
UBI A/C 4093010100,23072 IFSC CODE UBIN0540935
UBI A/C 4093010100,23075 FCRA CODE 136690015

Website : www.mazahiruloom.org
E-Mail : mazahiruloom@gmail.com
9557424474

آئینۂ مضامین

◯ دائرہ میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ کیلئے اول فرصت میں زرِتعاون ارسال فرمائیں۔

☆ مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

☆ جواب طلب اُمور کیلئے جوابی لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

☆ ناقابل اشاعت مضامین کی واپسی ادارہ کے ذمہ نہیں ہے۔

☆ شائع شدہ اشتہارات سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ سالانہ زرتعاون 200/روپے......دیگر ممالک:25/امریکی ڈالر

طابع ناشر، مدیر مسئول: محمد ریاض الحسن۔ **مطبع:** فاروقی پرنٹنگ پریس دہلی۔

اشاعت: دفتر آئینۂ مظاہر علوم سہارنپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کاندھلہ والے مولانا نور الحسن راشد کی لن ترانیاں

اداریہ محمد سعیدی خادم الطلبہ مظاہر علوم وقف سہارنپور

ماہ وسن تو یاد نہیں لیکن اتنا ضرور یاد ہے کہ کاندھلہ کے مشہور مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی ایک دن میرے غریب خانہ پر تشریف لائے اور خلاف عادت بڑی میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگے، میں ان کے مزاج کی کرختگی سے واقف نہ ہوتا تو ان کے لب ولہجہ کی شیرینی اور حلاوت کو بدرجہ اتم محسوس کرتا لیکن چونکہ میں اپنے بچپن سے ہی نہ صرف ان سے بلکہ ان کے بڑوں سے بھی واقف ہوں پھر بھی میں نے موصوف کی پوری بات سنی۔ چلتے وقت موصوف نے خلافِ عادت اور خلافِ مزاج ''عطر کی ایک شیشی'' بھی ''ہدیہ'' کہہ کر دی، عطر نہ ہوتا تو شاید قبول بھی نہ کرتا، میں اس عطر کا مطلب بھی سمجھ رہا تھا، کچھ ہی دن بعد مطلب ظاہر ہوا، مولانا نے پھر ملاقات کی اور مظاہر علوم (وقف) میں موجود ایک مخطوطہ کی فوٹو کاپی طلب کی، مدرسہ کے مخطوطات کی فوٹو کاپی دینے یا تقسیم کرنے کا کوئی ضابطہ نہیں ہے، اس لئے میں نے باتیں تو پوری سنیں لیکن مولانا کو ٹکا سا جواب نہیں دیا جو کہ ضروری تھا، مولانا نے اب آفر دینی شروع کردی کہ ہم بہت ہی شاندار جلد بندی کرادیں گے بلکہ یہ بھی کہا کہ ایک جلد پر ڈھائی ہزار خرچ آتا ہے خیر مجلس کسی نتیجہ پر پہنچے بغیر برخاست ہوگئی، اب مولانا موصوف کو اپنی ہتک محسوس ہونے لگی کیونکہ انہوں نے اپنے آپ کو جس درجہ اور جس مرتبہ پر ''سوچ'' رکھا تھا اس کے مطابق ان کا مقصد پورا نہیں ہوا۔

ایک دن موصوف دفتر اہتمام پہنچے، میری ملاقات نہیں ہوئی تو ٹھیک دوپہر کو غریب خانہ پہنچ گئے، بلا اجازت اندر داخل ہوئے، میں نے بے وقت ملاقات نہیں کی چنانچہ مولانا بپھر گئے، شیخوخت کا عفریت بوتل سے باہر آگیا اور مولانا نے نشست گاہ میں واردین وحاضرین کے سامنے بہت سی مغلظات اور اپنی شایان شان ہفوات بک کر اپنے دل کو سکون بہم پہنچایا۔ جو جو باتیں اس موقع پر مؤرخ صاحب نے مجھے کہی تھیں میں ان کو دہرا بھی نہیں سکتا بس اللہ کے حوالہ کرتا ہوں۔

بات یہیں ختم ہوجاتی لیکن افسوس کہ سینہ کا کینہ ان کی نوک زبان سے پھسل کر حسب عادت

نوک قلم پر آ گیا اور انہوں نے ایک کتاب میں لکھ مارا کہ

''یہاں حادثہ اور المیہ کا بھی تذکرہ کر دینا چاہئے کہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نے مسلسلات کے حواشی میں جن کتابوں سے استفادہ کیا اور تعلیم ودرس کے پہلے تقریباً بیس سال تک ، حضرت الاستاذ حضرت مولانا محمد یونس نے بھی ،مظاہر علوم قدیم کے کتب خانے سے ہی استفادہ کیا اور شیخ یونس کے حواشی اور قدیم افادات میں،مظاہر علوم قدیم کے کتب خانہ کی کتابوں کا حوالہ ہے،لیکن نہایت افسوس اور دلی رنج کے ساتھ لکھ رہا ہوں کہ مظاہر علوم قدیم کی ایک کتاب سے بھی رجوع نہیں کیا جا سکا،،مدرسہ کے ناظم کوئی کتاب دیکھنے کی اجازت نہیں دیتے، کتاب کا عکس حاصل کر لینا تو جوئے شیر لانا اور تقریباً ناممکنات میں سے ہے''۔

جب راقم کو صلواتیں سنانے سے پیٹ نہیں بھرا تو اپنی قدیم جبلت اور عادت پر اتر کر قابل احترام معزز اراکین شوریٰ کی طرف اپنے قلم فضیحت رقم کا رخ موڑ دیا اور لکھا کہ:

''میں نے مدرسہ قدیم کی کمیٹی (جس کو مجلس شوریٰ بھی کہا جا سکتا ہے) کے ممبران سے بھی فرداً فرداً اپیل اور گزارش کی مگر صورت حال جوں کی توں رہی ''زماں جنبد زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد خاں''۔جس کتب خانہ سے کوئی طالب علم استفادہ نہیں کر سکتا اور جس سے کسی علمی مقصد کے لئے کسی کتاب کا عکس نہیں مل سکتا رجوع نہیں کیا جا سکتا، وقف وقف چلاتے ہیں مگر اس وقف کے ضائع ہونے اور واقفین کے مقاصد اور صراحتوں کے خلاف اس گرامی شان اور کثیر المنافع کتب خانہ کو یوں محبوس اور ناکارہ بنا دینا بانیان مدرسہ اور جملہ واقفین کتب (جس میں حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی سے استاذنا المرحوم حضرت مولانا محمد یونس جونپوری رحمہم اللہ تعالیٰ تک پچاسوں اکابر علماء اور اصحاب کمال شامل ہیں کس طرح درست کس طرح جائز ہے! بلاشبہ یہ قومی ملی اثاثہ ہے ناظم یا اہل شوریٰ یا معاون کمیٹی ، ناظم مدرسہ کی ذاتی ملکیت نہیں ہے،شریعت کے اصولوں کا جاننا اور ان پر عمل سب سے پہلی بات ہے،نظامت وانتظام اور مشورہ بحث بعد کی ذمہ داری ہے۔فانا للّٰہ وانا الیہ راجعون.فانا للّٰہ وانا الیہ راجعون.انما اشکوا بثی وحزنی الی اللّٰہ۔''

مولانا راشد کاندھلوی نے اس تحریر میں بھی حسب عادت حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے،

انہوں نے یہ تو لکھا ہی نہیں کہ فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ نے یہ سب جاننے کے باجود کہ راشد صاحب کیسے آدمی ہیں؟ کتب خانہ کے عملہ کو باقاعدہ حکم دیا ہوا تھا کہ راشد کاندھلوی کتب خانہ میں رہ کر جو بھی کتاب پڑھنا چاہیں، استفادہ کرنا چاہیں، فوری طور پر کتاب فراہم کی جائے۔ اسی لئے مولانا راشد صاحب کو پورا مان سمان دیا جاتا رہا، عملہ ان کے ایک اشارہ پر کتاب ان کے سامنے رکھتا رہا، مفتی صاحب کے بعد بھی یہ عمل برابر جاری رہا۔ لیکن افسوس! حقائق سے اغماض اور چشم پوشی ان کی فطرت بنی رہی ہے جس کی ایک دو نہیں سیکڑوں مثالیں دی جاسکتی ہیں، جس کا یہاں وقت ہے نہ فرصت نہ ہی میں ان کی تحریروں کو اتنی وقعت اور اہمیت دیتا ہوں کہ اُن پر باقاعدہ نوٹ لکھوں البتہ یہ بات یہ بات صرف ادارہ کے لئے قابل وضاحت ہے کہ مظاہر علوم وقف سے مولانا نے بیسیوں سال تک استفادہ کیا ہے لیکن کبھی بھی کہیں بھی اپنے استاذ اور محسن فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کا شکریہ ادا نہیں کیا بلکہ مظاہر علوم وقف کا بھی کہیں حوالہ نہیں دیا، کیا یہ علمی دیانت کے خلاف نہیں ہے؟ جب کہ اگر انہوں نے کسی اور لائبریری سے کچھ بھی استفادہ کیا تو بڑے اچھے انداز میں حوالہ اور شکریہ ادا کیا، میں پوچھ سکتا ہوں بلکہ دنیا پوچھ سکتی ہے کہ اپنے استاذ محترم کا نام لینے سے آپ کو کس چیز نے روکا، صاحب زادگی نے یا کسی اور زادگی نے؟ اور جب آپ منکر وقف نہیں ہیں تو مظاہر علوم کے ساتھ وقف لکھنے میں آپ کو کیوں عار محسوس ہوتی ہے؟۔

بہر حال مولانا موصوف کے ذریعہ پھیلائے گئے اس رائیتہ کو سمیٹ کر بات ختم کرتا ہوں۔

آپ حضرات کے لئے مظاہر علوم وقف کے دروازے کھلے ہیں، آپ مدرسہ کے ضابطہ کے تحت کتب خانہ میں کسی بھی کتاب سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ تھیسیس تیار کر سکتے ہیں، پی ایچ ڈی کے مقالات لکھ سکتے ہیں، الحمدللہ اسکالرس حضرات استفادہ کے لئے آتے رہتے ہیں۔ البتہ ہر چیز ضابطہ کی پابند ہے، اس سلسلہ میں کسی کی شیخوخت یا صاحبزادگی کی بنیاد پر کسی بھی قسم کی کوئی خصوصی رعایت نہیں کی جاتی ہے نہ کی جاسکتی ہے کیونکہ یہ مدرسہ وقف علی اللہ ہے اور یہاں کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ہی ملکیت ہے کسی سوسائٹی کی جاگیر نہیں ہے اور مولانا نور الحسن راشد موصوف انچارج مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ (یکے از منکرانِ وقف) کی مدرسہ مظاہر علوم (وقف) کی اس عظیم لائبریری میں داخلہ پر پابندی لگائی جاتی ہے۔

آہ! اسماعیل ہنیہؒ

تعزیت کسے پیش کروں؟

مولانا سعود عثمانی

غلام دام و درم ہیں، سو بادشاہی کہاں
بھکاریوں کے تصور میں کج کلاہی کہاں

میں سوچ رہا ہوں کہ تعزیت کسے پیش کروں۔ اسماعیل ہنیہ کے گھرانے کے لوگ اور حماس رہنما چھلکتی آنکھوں اور رخساروں پر بہتے آنسوؤں کے ساتھ بھی تعزیت نہیں تہنیت کے طلبگار ہیں۔ وہ بتا رہے ہیں کہ شہیدوں کا غم کیسے کیا جاتا ہے اور ان کے دوستوں اور گھرانے کے لوگوں کا کیا طرزِ عمل ہوتا ہے۔ وہی طرزِ عمل جو نبی اکرم ﷺ نے اپنے شہیدوں کے لئے اختیار کیا او 1400 سال سے امت شہیدوں کے لئے اختیار کرتی آئی ہے۔ فلسطین کے شہیدوں نے ہم دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک بات سکھا دی ہے۔ اس بے حمیت اور خود غرض دور میں سر اٹھا کر کیسے جیا جاتا ہے اور کیسے جان دی جاتی ہے۔ اسماعیل ہنیہ کے گھرانے میں مردوں وخواتین سب کے ردعمل دیکھ لیں۔ غم کے باوجود کوئی نوحہ کناں، ماتم کناں نہیں۔ اسماعیل ہنیہ کے ایک بیٹے نے کہا کہ حق کے لئے عظیم لوگ شہید ہوا کرتے ہیں، ہمیں اپنے والد پر فخر ہے۔ سو میں ان سب کو تہنیت اور مبارک پیش کرتا ہوں۔ بار بار پیش کرتا ہوں۔ اور تعزیت پیش کرتا ہوں، بار بار پیش کرتا ہوں، ان سانس لیتے مردہ افراد کے متعلقین کو جنہیں خود غرض، منافق، بزدل، منفعت شناس، مکار اور دوغلے کا ہر لقب سجتا ہے۔ نسل در نسل غداروں کو جن کے گلے میں طوق اور پیروں میں زنجیریں پڑی ہیں اور وہ اسے اعزاز سمجھتے ہیں۔ ان ضمیر فروشوں کو جن کی تجوریاں مال و دولت سے لبالب ہیں اور وہ مزید تجوریاں چاہتے ہیں۔ ان غلاموں کو جن کی طاقت آقاؤں کے بل پر ہے اور جس کے ذریعے وہ کمزور لوگوں کو یہ غلامی تقسیم کرتے ہیں۔ ان ایمان فروشوں کو جو اپنے اعمال کا جواز ایمان کی من مانی تشریح سے لایا کرتے ہیں۔

اللہ قبلہ اول کے محافظین اور شہدائے فلسطین کو ان کی عدیم النظیر قربانیوں کا صلہ اور بدلہ عطا فرمائے۔ آمین

اسلامی پردہ؛انسدادِفواحش کاواحدراستہ

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی

''عورت'' سماج کا اٹوٹ حصہ اور اہم ترین عنصر ہے،اسی کے وجود سے کائنات ہستی میں رنگ ونکہت ہے،اسی کے دم قدم سے زندگی کا سوز وساز ہے،عورت کے بغیر دنیا کی رنگینی کوئی معنی نہیں رکھتی اورعورت سے ہٹ کر پرلطف زندگی کا تصور نہیں کیا جاسکتا؛یہی وجہ ہے کہ محسن انسانیت ﷺ نے نیک خاتون کو دنیا کی بہترین متاع قرار دیا اوراپنی محبوب چیزوں میں خوشبو کے ساتھ ساتھ عورت کا بھی ذکر فرمایا۔(مسند احمد)

انسانی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ جاہلیت قدیمہ میں عورت کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جاتا تھا؟ کتنے مظالم ڈھائے جاتے تھے؟ کن حالات سے گزارا جاتا تھا؟اگر مختصر الفاظ میں کہا جائے تو یہ کہنا بجا ہوگا کہ بعثت نبوی سے قبل عورت کی زندگی ذلت وپستی،مملوکیت وغلامی اور ظلم واستحصال سے عبارت تھی؛مگر جب اسلام آیا تو اس نے عورت کو سربلندی عطا کی،اس کی قدرو منزلت کو آشکار کیا،اسے بلند مقام دیا اور قابل احترام شخصیت قرار دیا،پھر اس کے حقوق متعین کیے،اس کے فرائض و واجبات طے کیے اور اسے مردوں کی طرح بہت سے معاملات میں مساوی حقوق سے سرفراز فرمایا۔

تحفظ نسواں کے حوالے سے اسلام نے عورتوں کے لیے جو حدود مقرر کیے اور جن احکام پر عمل آوری کی تاکید کی ان میں سرفہرست پردہ اور حجاب ہے؛اس لیے کہ حجاب کے بغیر عورت کی حفاظت کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا،بنا بریں وابستگان اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کے سنجیدہ افراد نے بھی فواحش ومنکرات کے انسداد کا اگر کوئی حل بتلایا ہے تو وہ صرف اسلام کا نظامِ پردہ وحجاب ہے۔

ستر اورحجاب کے درمیان فرق

عورت کے پردے کے بارے میں اکثر لوگ اس غلط فہمی کا شکار رہتے ہیں کہ وہ ستر اور حجاب کے درمیان یا تو فرق ہی نہیں کرتے یا فرق کو تسلیم نہیں کرنا چاہتے؛جب کہ شریعتِ اسلامیہ میں ان دونوں کے الگ الگ احکام بیان کیے گئے ہیں۔حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ معارف القرآن میں

لکھتے ہیں سترِ عورت اور حجابِ نساء یہ دو مسئلے الگ الگ ہیں۔ سترِ عورت ہمیشہ سے فرض ہے، حجاب نساء سن ۵ / ہجری میں فرض ہوا۔ سترِ عورت مرد وعورت دونوں پر فرض ہے اور حجاب صرف عورتوں پر۔ سترِ عورت لوگوں کے سامنے اور خلوت دونوں میں فرض ہے، حجاب صرف اجنبی کی موجودگی میں ضروری ہے۔ (معارف القرآن، ج 7، ص 212)

عورت کا ستر یہ ہے کہ وہ اپنے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کے سوا اپنا پورا جسم چھپائے گی، جس کا کوئی حصہ بھی وہ اپنے شوہر نیز گھر میں محرم مردوں (باپ، بھائی، بیٹے) کے سوا کسی اور کے سامنے نہیں کھول سکتی؛ البتہ شوہر اور بیوی ایک دوسرے کے پورے جسم کو شہوت اور بغیر شہوت دونوں طرح دیکھ سکتے ہیں اور چھو بھی سکتے ہیں۔ شوہر کے علاوہ دیگر محارم کے سامنے مثلاً باپ، بھائی، بیٹا، بھتیجا وغیرہ کے سامنے چہرہ، سر، بال، گردن، بازو اور گھٹنے سے نیچے کا حصہ بہ وقت ضرورت کھولا جاسکتا ہے، مثلاً فرش دھوتے وقت پائنچے اوپر چڑھا لینا یا آٹا گوندھتے وقت آستین اوپر کر لینا وغیرہ۔ اور محرم رشتہ دار بھی عورت کے مذکورہ بالا حصوں کو بغیر شہوت کے دیکھ اور چھو سکتے ہیں اور اگر فتنہ کا خطرہ ہو تو محرم کے سامنے بھی ان اعضا کو کھولنا جائز نہیں۔ اگر کوئی محرم ایسا بے حیا ہو کہ اس کو عزت اور ناموس کی پروا نہ ہو، وہ نامحرم کے حکم میں ہے اور اس سے پردہ ہی کرنا چاہیے۔

یہ تفصیلات تو عورت کے ستر سے متعلق تھیں، حجاب کا حکم سترِ عورت پر مستزاد ہے، وہ یہ کہ جب عورت گھر سے باہر کسی ضرورت کے لیے نکلے یا گھر کے اندر غیر محرم مردوں سے سامنا ہو تو اس صورت میں عورت بڑی چادر اوڑھ لے؛ تا کہ اس کا پورا جسم ڈھک جائے، ایسے ہی چہرے پر بھی چادر کا ایک پلو ڈال لے۔ اب وہ صرف اپنی آنکھ کھلی رکھ سکتی ہے، باقی پورا جسم چھپائے گی۔ یہ چہرے پر نقاب کا حکم ہے، اجنبی مردوں سے عورت کا یہی پردہ ہے جسے حجاب کہا جاتا ہے۔ اردو زبان میں اسے "گھونگھٹ نکالنا" بھی کہتے ہیں۔ اس حوالے سے ارشاد خداوندی ہے: "اے نبی! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تا کہ وہ پہچان لی جائیں اور انہیں کوئی نہ ستائے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔" (الاحزاب)

ایک اور موقع پر حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا: "اور عورتوں کو چاہیے کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے

سینوں پر ڈال لیا کریں۔'' (الاحزاب) اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ عماد الدین ابن کثیرؒ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی کام کے لیے گھروں سے نکلیں تو اپنی چادروں کے پلو اوپر سے ڈال کر اپنا منہ چھپالیں اور صرف ایک آنکھ کھلی رکھیں۔

ابن جریر اور ابن منذر رحمہا اللہ کی روایت ہے کہ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبیدہ سلمانی سے اس آیت کا مطلب پوچھا۔ (حضرت عبیدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسلمان ہو چکے تھے؛ مگر حاضر خدمت نہ ہو سکے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں مدینہ آئے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ انھیں فقہ اور قضا میں قاضی شریحؒ کے ہم پلہ مانا جاتا تھا۔) انہوں نے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے اپنی چادر اٹھائی اور اسے اس طرح اوڑھا کہ پورا سر، پیشانی اور پورا منہ ڈھانک لیا اور صرف ایک آنکھ کھلی رکھی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ایسا برقعہ جو چہرے کے علاوہ سارے جسم کو چھپائے وہ شرعی برقعہ نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ شرعی اعتبار سے چہرہ بھی پردے کے تحت داخل ہے اور آج کل بہت سی ماڈرن خواتین چہرے کو پردے سے خارج سمجھ کر کھلے عام یوں ہی گھوم پھر رہی ہیں اور زبان حال سے مردوں کو دعوت نظارہ دے رہی ہیں۔

حجاب سے بے حجابی تک

جاہلیت قدیمہ کی طرح جاہلیت جدیدہ میں ایک بار پھر عورت کی عزت و ناموس پر خطرات کے بادل منڈلا رہے ہیں، ان کی عصمتوں سے کھلواڑ کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں، انھیں برہنہ و نیم برہنہ کر کے سر بازار رسوا کیا جا رہا ہے اور ایک منصوبہ بند سازش کے تحت انھیں شمع خانہ کے بجائے چراغ محفل بنایا جا رہا ہے، کل تک علماء و مصلحین خورد و نوش، لباس و پوشاک اور رہن سہن کے مغربی ہونے کا شکوہ ہی کرتے رہے کہ اب برقع اور حجاب بھی تجدد کی راہ پر چل پڑے ہیں، دیکھنا یہ ہے کہ یہ سلسلہ کہاں جا کر ختم ہوگا؟

کیا یہ حقیقت نہیں کہ ایک غیرت مند مسلم خاتون ماضی قریب تک حجاب کے سلسلے میں کسی بھی طرح کی مصالحت کے لیے تیار نہیں ہوتی تھی، اولاً تو وہ بے ضرورت گھر سے باہر ہی نہیں نکلتی تھی

اور ثانیاً کسی ضرورت سے نکلنا پڑ جاتا تو اس طرح پردے اور حجاب کا اہتمام کرتی تھی کہ پہچاننا مشکل ہوجاتا تھا؛ مگر افسوس صد افسوس کہ اب یہی مسلم خواتین جدت پسندی اور ماڈرنائیزیشن کا شکار ہوگئیں، کل تک جو برقعے لباس وجسم کے جمال کو چھپایا کرتے تھے آج وہی سرعام دعوت نظارہ دے رہے ہیں، افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ نہ صرف خواتین کو؛ بل کہ سرپرستوں اور ذمہ داروں کو بھی اس کا احساس تک نہیں۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

مولانا ڈاکٹر محمد ادریس حبان رحیمی لکھتے ہیں: بعض مسلم خواتین کے اندر بے حجابی کا نظریاتی اور عملی رجحان کہیں نہ کہیں یہ ضرور ظاہر کرتا ہے کہ مذہب پر ہماری گرفت ڈھیلی پڑ چکی ہے۔ قرآن کو اللہ کی کتاب سمجھنا اور پھر اس کے کچھ احکام کو ماننا اور کچھ کو نہ ماننا، کیا یہ ظاہر نہیں کرتا کہ ہم اللہ کی مکمل اطاعت کرنے کی بجائے بعض معاملات میں اپنی خواہش کی پیروی کرتے ہیں۔ اسلام ایک عورت کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنا سر ڈھک کر رکھے، باہر نکلتے وقت چادر اس طرح اوڑھ کر نکلے کہ جسم کے نشیب وفراز نمایاں نہ ہوں۔ آواز پیدا کرنے والے زیور پہن کر نہ نکلے، ایسی خوشبو استعمال نہ کرے، جس سے لوگوں کی توجہ بطور خاص اس کی طرف ہوجائے۔ کسی نامحرم سے تنہائی میں نہ ملے، اس کی باتوں میں لچک اور لوچ نہ ہو کہ کوئی بدطینت اپنے دل میں گندے خیالات پیدا کرلے۔ زینت کی چیزیں دانستہ ظاہر نہ کرے۔ بغیر محرم کے تنہا سفر نہ کرے، میل جول کی خواتین سے بے تکلفی برتے، ان خواتین سے نہیں جو اس کے لیے اجنبی ہوں۔ وغیرہ

آج تعلیم کے راستے سے بے حجابی کی جو وبا پھیل رہی ہے اس پر ملت کے ہمدردوں کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔ اپنی تہذیب اور اس کی شناخت کو بچانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم بچیوں کی تعلیم کا علاحدہ انتظام کریں، ذمہ دار استانیوں سے ان کی تربیت کرائیں، امور خانہ داری میں انھیں طاق بنائیں اور انھیں ان کے فرائض کی یاددہانی کرائیں۔ (ملخص از عورت پر اسلام کی مہربانیاں)

برقعہ کے شرائط واوصاف

اخیر میں یہ عرض کردینا بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ اسلام میں کون سا برقعہ پہننا جائز ہے اور کون سا

ناجائز؟ قرآن وحدیث کی تصریحات اور مفسرین ومحدثین کی توضیحات کو پیش نظر رکھتے ہوئے، کن شرائط کی رعایت ضروری ہے؟ حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ: مزین برقعہ پہن کر نکلنا ناجائز ہے؛ کیوں کہ جب زیور کی آواز تک کو قرآن نے اظہارِ زینت میں داخل قرار دے کر ممنوع کیا ہے تو مزیّن رنگوں کے برقعے پہن کر باہر نکلنا بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگا۔

مختصر یہ کہ: فقہاء کرام کے مطابق برقعہ درج ذیل شرائط پر پورا اترنا چاہیے، تبھی اس سے پردے کا مقصد حاصل ہوگا ورنہ نہیں:

۱— برقعہ سادہ ہو، اس میں نقش ونگار اور زیب وزینت نہ ہو، اور نہ ہی ایسا رنگ ہو جو جاذبِ نظر ہونے کی وجہ سے مردوں کی توجہ کا سبب بنے۔

۲— برقعہ چست نہ ہو کہ اس سے جسم کی ہیئت اور نشیب وفراز ظاہر ہو؛ بلکہ ڈھیلا ڈھالا ہو، جس سے جسم نمایاں نہ ہوتا ہو۔

۳— برقعہ باریک نہ ہو؛ جس سے جسم یا جسم کا لباس ظاہر ہوتا ہو؛ بلکہ وہ اس قدر موٹا ہو جس سے جسم اور اس کا لباس نظر نہ آئے۔

۴— برقعہ اس قدر بڑا ہو جس میں جسم اچھی طرح چھپ جائے۔

۵— برقعہ مردوں کے لباس کے مشابہ نہ ہو، اسی طرح کافروں یا دین بیزار عورتوں کے فیشنی برقعہ کے مشابہ بھی نہ ہو؛ کیوں کہ ان لوگوں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

۶— برقعہ پر مہکنے والی خوشبو بھی نہ لگائی جائے، جو مردوں کے لیے فتنے کا سبب بنے۔ (ملخص: عورت کا پردہ اور برقعہ کیسا ہونا چاہیے؟ ماہ نامہ بینات کراچی)

حق تعالیٰ عمل نصیب فرمائے۔

☆☆☆

پہلی صدی ہجری کی مشہور فقیہ خواتین

عصمت اللہ نظامانی

اسلام نے مرد وعورت دونوں کو علم حاصل کرنے کا حکم دیا ہے؛ چنانچہ حضور ﷺ جس طرح مرد کو تعلیم دیتے تھے، انھیں قرآن پاک اور دین کے احکام سکھلاتے تھے، اسی طرح خواتین کی تعلیم پر بھی خصوصی توجہ دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح مرد میں فقہا ومحدثین اور دیگر علوم وفنون میں مہارت رکھنے والے پیدا ہوئے، اسی طرح خواتین میں بھی بلند پایہ عالمات، محدثات، فقیہات گزری ہیں، علمی میدان میں خواتین کسی طرح بھی مرد حضرات سے پیچھے نہیں رہیں، اگرچہ تعداد کے اعتبار سے کمی بیشی ہو سکتی ہے۔

ذیل میں ہم ان فقیہ خواتین کا تذکرہ کریں گے، جنہوں نے یا تو حضور ﷺ کے زیرِ تربیت فقہ کی تعلیم حاصل کی، یا پھر حضور ﷺ کے تربیت یافتہ افراد سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ یعنی پہلی صدی ہجری کی مشہور فقیہ خواتین کا مختصر تذکرہ کریں گے جن کے فقیہ ہونے کی گواہی اہلِ علم نے دی ہے۔

واضح رہے کہ صحابیات وغیرہ ایک بڑی جماعت کو فقہ کے ساتھ خصوصی شغف اور اس میں مہارت حاصل تھی اور بجا طور وہ ''فقیہ'' کہلانے کی مستحق تھیں؛ لیکن ذیل میں ہم نے پہلی صدی کی صرف ان خواتین کے تذکرے پر اکتفا کیا ہے جن کے فقیہ ہونے کی اہلِ علم نے تصریح کی ہے۔

پہلی فقیہ خاتون ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا:

امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق کی دختر ہیں، ان کی والدہ کا نام ام رومان تھا، نو سال کی عمر میں حضور ﷺ کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئی تھیں، فتاوی اور احادیث دونوں لحاظ سے ان کا شمار ''مکثرین'' میں ہوتا ہے، حضور ﷺ کی رحلت کے وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی، احادیث میں ان کے متعدد مناقب وارد ہوئے ہیں، سن ۵۸ھ میں ان کا انتقال ہوا اور جنت البقیع میں سپردِ لحد کیا گیا۔ (سیر اعلام النبلاء الذہبی، (3/426)

حضرت عائشہ کی فقاہت

حافظ ابن حجرؒ (تہذیب التہذیب لابن حجر، (12 / 384) علامہ زرکشیؒ (الاجابۃ عما استدرکتہ عائشۃ علی الصحابۃ للزرکشی، (ص 37:) اور بعض دیگر حضرات نے انھیں فقیہ کہا ہے۔ نیز متعدد بلند پایہ اہلِ علم نے ان کی فقہی بصیرت، قوتِ استدلال اور علم میں پختگی کی گواہی دی ہے؛ چنانچہ حضرت ابوموسی اشعریؓ فرماتے ہیں:

"جب ہم لوگوں یعنی حضور ﷺ کے صحابہ کو کسی حدیث کے بارے میں اشکال ہوتا اور پھر اس کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھتے تو ان کے پاس لازماً اس کا علم ہوتا تھا۔ (سنن ترمذی)

حضرت عطاؒ فرماتے ہیں:

کانت عائشۃ افقہ الناس و اعلم الناس (المستدرک علی الصحیحین للحاکم، (4 / 15)۔

حضرت عائشہ لوگوں میں سب سے زیادہ فقیہ اور زیادہ علم والی تھیں۔

حضرت عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں:

ما رأیت احدًا اعلمَ بفقہٍ و لا بطبٍ و لا بشعرٍ من عائشۃ۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب لابن عبد البر، (4 / 1883)

میں نے حضرت عائشہ سے بڑھ کر فقہ، طب اور شعر کا علم رکھنے والا نہیں دیکھا۔

حضرت مسروق کا بیان ہے:

میں نے حضور ﷺ کے بڑے بڑے صحابہ کو دیکھا کہ وہ حضرت عائشہ سے میراث سے متعلق سوال کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب لابن حجر، (12 / 386)

دوسری فقیہ خاتون ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نام "ہند بنت ابی امیہ" ہے، ان کا پہلا نکاح حضرت ابو سلمہ کے ساتھ ہوا، ان کی وفات کے بعد سن 4ھ میں حضور ﷺ نے ان سے نکاح کیا، امہات المؤمنین میں سے سب سے آخر میں ان کی وفات ہوئی، سن 62ھ کو مدینہ منورہ میں ان کا انتقال ہوا، اور انھیں جنت البقیع میں سپرد لحد کیا گیا۔ (سیر اعلام النبلاء للذہبی)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی فقاہت

علامہ ذہبی نے انھیں فقیہہ کہا ہے(سیر اعلام النبلاء للذہبی،(2/203)۔)،اور متعدد احادیث سے کی ان کی فقاہت، فراست اور عمدہ ذہانت کا اندازہ ہوتا ہے؛ چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقعے پر جب حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو عمرہ کیے بغیر حلق کرنے کا حکم دیا تو ابتداء میں صحابہ نے اس پر عمل نہیں کیا، وہ امید لگائے بیٹھے تھے کہ انھیں عمرہ کرنے کا موقع مل جائے گا۔ جب حضرت ام سلمہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے حضور ﷺ کو مشورہ دیا کہ آپ خود اپنے بال کٹوالیں؛ چنانچہ جب صحابہ کرام نے حضور ﷺ کو بال کٹواتے دیکھا تو انھوں نے بھی ایک دوسرے کے بال کاٹنے شروع کردئے،اس طرح حضرت ام سلمہؓ کے مشورے پر عمل کرنے سے صحابۂ کرام صدمہ کی حالت سے نکل آئے،اسی طرح ان کی فقاہت کی اور بھی کئی مثالیں موجود ہیں۔(الاعلام للزرکلی،(8/97)۔)

تیسری فقیہ خاتون ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بنو مصطلق قبیلے کے سردار ''حارث'' کی بیٹی تھیں،غزوہ بنی مصطلق میں قید ہوکر آئیں،حضور ﷺ نے ان کی طرف سے بدلِ کتابت ادا فرما کر آزاد کیا اور پھر ان سے نکاح کیا۔ جب صحابہ کرام کو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے ان سے نکاح کرلیا ہے تو انھوں بنی مصطلق کے تمام قیدیوں کو حضور ﷺ کے ساتھ رشتہ داری قائم ہونے کی وجہ سے آزاد کردیا؛ چنانچہ حضرت عائشہؓ ان کے بارے میں فرماتی ہیں:

''میں کسی عورت کو نہیں جانتی جو اپنی قوم کے لیے حضرت جویریہ سے زیادہ بابرکت ہو''۔(اسد الغابۃ لابن الاثیر الجزری،(7/57)

ماہِ ربیع الاول،سن 56ھ میں ان کی وفات ہوئی۔(الاستیعاب لابن عبد البر،(4/1804)

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی فقاہت

''نساء حول الرسول'' نامی کتاب کے مصنف محمد برہان نے حضرت جویریہ کو فقیہ کہا ہے(نساء حول الرسول،محمد برہان،(ص 37:))؛ چنانچہ ان کے بعض فتاوی مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبد الرزاق میں موجود ہیں۔(المصنف لعبد الرزاق،کتاب الطہارۃ)

چوتھی فقیہ خاتون حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا

حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی ربیبہ یعنی آپ کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہؓ کی دختر تھیں؛ اس لیے وہ آپ ﷺ کی تربیت میں پروان چڑھیں، حضور ﷺ ان سے اپنے بچوں کی طرح محبت کرتے تھے؛ چنانچہ ایک مرتبہ وہ حضور ﷺ کے پاس گئیں، اس وقت آپ غسل فرمارہے تھے، تو آپ ﷺ نے حضرت زینت بنت ابی سلمہ کے چہرے پر ازراہِ تلطف پانی کے چھینٹے مارے، جس کی برکت سے عمر رسیدہ ہونے کے باوجود ان کے چہرے پر جوانی کی خوبصورتی اور شادابی باقی رہی۔ (الاستیعاب لابن عبدالبر، (4/1855) ان کی وفات سن 74ھ میں ہوئی۔ (الاستیعاب)

حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا کی فقاہت

متعدد حضرات نے انھیں فقیہ کہا ہے؛ چنانچہ علامہ ابن اثیر جزری اور ابن عبدالبر نے ان کو ''مِن اَفقهِ نساءِ اهلِ زمانها'' (اپنے زمانے کی سب سے بڑی فقیہ خواتین میں سے ایک) قرار دیا ہے۔ (الاستیعاب لابن عبدالبر، (4/1855) اور حضرت ابورافع کہتے ہیں:

''میں جب مدینے کی کسی فقیہ خاتون کا ذکر کرتا تو زینب بنت ابی سلمہ کا ہی تذکرہ کرتا تھا''۔

(تہذیب التہذیب لابن حجر، (12/450)

پانچویں فقیہ خاتون فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا

مشہور صحابیہ ہیں، ابتدائی ہجرت کرنے والی خواتین میں سے تھیں، ان کے پہلے شوہر ابوبکر بن حفص نے انھیں طلاق دی تھی اور عدت کے بعد متعدد حضرات نے ان کے پاس نکاح کا پیغام بھجوایا، تو حضور ﷺ کے مشورے سے اسامہ بن زیدؓ سے نکاح کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد خلیفۃ منتخب کرنے کے لیے اہلِ شوریٰ ان ہی کے گھر میں جمع ہوئے تھے۔ (اسد الغابۃ لابن الاثیر الجزری) ان کی وفات تقریباً سن 50ھ میں ہوئی۔ (الاعلام للزرکلی، (5/131)

حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی فقاہت

امام شعبی نے انھیں فقیہ کہا ہے؛ چنانچہ ایک مرتبہ انھوں نے مطلقہ کے لیے دورانِ عدت نفقہ اور رہائش کے عدم وجوب سے متعلق حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث بیان کی تو وہاں موجود ایک

شخص نے کہا کہ حضرت عمر نے فاطمہ بنت قیس کی یہ روایت رد کردی تھی، اس پر امام شعبی نے فرمایا:
''کیا میں ایک فقیہ خاتون کی تصدیق نہ کروں جسے خود یہ مسئلہ پیش آیا تھا؟ (مستخرج ابی عوان)

چھٹی فقیہ خاتون حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا

حضرت صفیہ صغار صحابیات میں سے ہیں، ان کے والد شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کعبہ کے محافظوں میں سے تھے، حضرت صفیہ بنت شیبہ حضور ﷺ سے بعض روایات بلاواسطہ نقل کرتی ہیں، نیز امہات المؤمنین میں سے حضرت عائشہ، حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ اور دیگر صحابہ سے روایت کرتی ہیں۔ (تہذیب التہذیب لابن حجر، (12/381) ولید بن عبدالملک کے دورِ خلافت میں سن 90ھ کو ان کی وفات ہوئی۔ (الوافی بالوفیات للصفدی، (16/190)

حضرت صفیہ بنت شیبہ کی فقاہت

علامہ ذہبیؒ نے ان کو فقیہ کہا ہے (سیر اعلام النبلاء للذہبی، (4/474) علم کے ساتھ گہرا شغف تھا، بہت سے حضرات نے ان سے احادیث لی ہیں، اصحاب سنن نے متصلاً؛ جب کہ امام بخاری نے تعلیقاً ان کی روایت ذکر کی ہے۔ (تہذیب التہذیب لابن حجر، (12/381)

ساتویں فقیہ خاتون حضرت ام درداء صغری

ان کا نام ''ہجیمہ بنت حیی'' ہے، حضور ﷺ کے معروف صحابی حضرت ابودرداء کی دوسری بیوی تھیں، ان کی پہلی بیوی کا نام ''خیرہ'' اور کنیت ام درداء کبری تھی، وہ صحابیات میں سے تھیں؛ جب کہ ام درداء صغری، تابعیہ ہیں، حضرت ابو درداء کی وفات کے بعد حضرت معاویہ نے ان کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا؛ لیکن انھوں نے انکار کردیا، سن 81ھ کو ان کا انتقال ہوا۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال للمزی، (35/352)

حضرت ام درداء صغری کی فقاہت

امام بخاری (صحیح البخاری، کتاب الاذان)، امام مکحول اور دیگر بہت سے اہل علم نے انھیں فقیہ کہا ہے، (تہذیب الکمال للمزی، (35/355) پوری زندگی انھوں حدیث وفقہ کی تعلیم

حاصل کرنے اور پھر اس کی نشر و اشاعت میں گزاری، خصوصاً فقہ میں تو انھیں بلند مقام حاصل تھا؛ چنانچہ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

واتفقوا علی وصفها بالفقه۔(تہذیب الاسماء واللغات للنووی) یعنی اہل علم کا انھیں فقیہ قرار دینے پر اتفاق ہے۔

آٹھویں فقیہ خاتون حضرت عمرہ بنت عبدالرحمن

حضرت عمرہ بنت عبدالرحمن تابعیہ ہیں، اور ان کے والد عبدالرحمن اور دادا اسعد بن زرارہ دونوں صحابی ہیں، وہ مشہور محدث ابوبکر ابن حزم کی خالہ ہیں، بچپن سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کفالت اور پرورش میں رہیں، اسی وجہ سے حضرت عائشہ سے سب سے زیادہ احادیث روایت کرنے والوں میں سے ایک حضرت عمرہ بنت عبدالرحمن بھی ہیں، ان کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے، ابوحسان زیادی اور بعض دیگر حضرات کہتے ہیں کہ ان کا انتقال سن 98ھ میں ہوا۔(تہذیب الکمال للمزی، (12/439)

حضرت عمرہ بنت عبدالرحمن کی فقاہت

متعدد حضرات جیسے علامہ ذہبی(تاریخ الاسلام للذہبی، (2/1151)، اور ہجرانی وغیرہ نے انھیں فقیہ کہا ہے۔(قلاد النحر فی وفیات اعیان الدہر للہجرانی) حضرت عائشہ کے بھانجے حضرت قاسم بن محمد(جو مدینے کے فقہائے سبعہ میں سے ایک ہیں) نے مشہور محدث امام زہری سے ایک مرتبہ فرمایا: اے بچے! میں تم کو حصولِ علم کا حرص اور شوق رکھنے والا دیکھتا ہوں، کیا تمہیں علم کے خزانے کے بارے میں نہ بتاؤں؟ امام زہری نے کہا: کیوں نہیں، تو حضرت قاسم نے فرمایا: عمرہ بنت عبدالرحمن کی خدمت میں پابندی سے حاضر ہو۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ جب میں حضرت عمرہ کے پاس آیا تو میں نے انھیں علم کا نہ ختم ہونیوالا سمندر پایا۔(سیر اعلام النبلاء للذہبی)

نویں فقیہ خاتون بنت زید بن ثابت انصاری

مشہور ومعروف صحابی کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی دختر کو بہت سے حضرات نے فقیہ کہا ہے، رہی یہ بات کہ حضرت زید بن ثابت کی کون سی بیٹی مراد ہے؟ تو اس میں کچھ اختلاف ہے۔ علامہ ابن ملقن نے اس کا نام ام سعد لکھا ہے(التوضیح لشرح الجامع الصحیح لابن

الملقن، (103/5)؛ جب کہ حافظ ابن حجر نے ام کلثوم کہا ہے۔(۳۵) فتح الباری لابن حجر، (420/1)

بنت زید بن ثابت کی فقاہت

حافظ ابن حجر نے انھیں فقیہ کہا ہے، امام بخاری نے حیض سے متعلق ان کی روایت تعلیقاً ذکر کی ہے اور امام مالک نے متصلاً نقل کی ہے۔(تہذیب التہذیب لابن حجر، (512/12)

دسویں فقیہ خاتون حضرت معاذہ عدویہ

حضرت معاذہ بنت عبد اللہ عدویہ نہایت پرہیزگار، عبادت گزار اور ذی علم خاتون تھیں، بڑے بڑے محدثین نے ان سے علم حاصل کیا، جن میں ایوب سختیانی، جعفر بن کیسان اور یزید الرشک شامل ہیں۔ صبر اور رضا بالقضاء کا یہ عالم تھا کہ جب ان کے شوہر حضرت صلہ بن اشیم اور بیٹا ایک جنگ میں شہید ہوئے تو بعض خواتین ان کے پاس تعزیت کرنے آئیں، آپ نے ان سے فرمایا: اگر تم مجھے مبارک باد دینے آئی ہو تو میں تمہیں خوش آمدید کہتی ہوں؛ لیکن اگر کسی اور نیت سے آئی ہو تو تمہارا واپس لوٹ جانا ہی بہتر ہے۔ 83ھ میں ان کی وفات ہوئی۔(سیر اعلام النبلاء للذہبی، (509/4)

حضرت معاذہ عدویہ کی فقاہت

علامہ ذہبی (العبر فی خبر من غبر للذہبی، (92/1) اور ہجرانی نے انھیں فقیہ کہا ہے۔(قلادۃ النحر فی وفیات اعیان الدہر للہجرانی، (12/2) مشہور محدث جعفر بن کیسان کہتے ہیں کہ میں نے معاذہ عدویہ کو دیکھا کہ وہ پردے میں تھیں، اور خواتین ان سے مختلف سوالات کر رہی تھیں۔ (العبر للذہبی)

خلاصہ: اسلام نے تعلیم حاصل کرنے کے سلسلے میں مرد و عورت کو یکساں حکم دیا ہے، علمی میدان میں خواتین مرد حضرات سے پیچھے نہیں، اس بات کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ قرنِ اول یعنی پہلی صدی ہجری میں ہی خواتین کی ایک بڑی جماعت کے فقیہ ہونے کی بڑے بڑے اہلِ علم حضرات نے گواہی دی ہے۔

☆☆☆

رسولِ اکرم ﷺ کے مقاصدِ بعثت

مفتی محمد صادق حسین قاسمی کریم نگری

رسولِ اکرم ﷺ جس وقت دنیا میں مبعوث ہوئے اور نبوت سے سرفراز کیے گئے وہ دور دنیا کا نہایت عجیب اور تاریک ترین دور تھا، ظلم وستم، ناانصافی وحق تلفی، جبر وتشدد، خدافراموشی وتوحید بیزاری عام تھی، اخلاق وشرافت کا بحران تھا، اور انسان ایک دوسرے کے دشمن بن کر زندگی گزار رہے تھے، ہمدردی اور محبت کے جذبات، اخوت ومودت کے احساسات ختم ہو چکے تھے، معمولی باتوں پر لڑائی جھگڑا اور سالہاسال تک جنگ وجدال کا سلسلہ چلتا تھا، ایسے دور میں آپ ﷺ تشریف لائے، اور پھر قرآنی تعلیمات ونبوی ہدایات کے ذریعہ دنیا کو بدلا، عرب وعجم میں انقلاب برپا کیا، عدل وانصاف کو پروان چڑھایا، حقوق کی ادائیگی کے جذبوں کو ابھارا، احترامِ انسانیت کی تعلیم دی، قتل وغارت گری سے انسانوں کو روکا، عورتوں کو مقام ومرتبہ عطا کیا، غلاموں کو عزت سے نوازا، یتیموں پر دستِ شفقت رکھا، ایثار وقربانی، خلوص ووفاداری کا مزاج بنایا، احساناتِ خداوندی سے آگاہ کیا، مقصدِ حیات سے باخبر کیا، رب سے ٹوٹے ہوئے رشتوں کو جوڑا، جبینِ عبدیت کو خدا کے سامنے ٹیکنے کا سبق پڑھایا اور توحید کی تعلیمات سے دنیا کو ایک نئی صبح عطا کی، تاریکیوں کے دور کا خاتمہ فرمایا، اسلام کی ضیاپاش کرنوں سے کائناتِ ارضی کو روشن ومنور کردیا۔ آپ ﷺ نے فرد کی اصلاح کی، معاشرہ کو سدھارا۔

نبی اکرم ﷺ کا یقیناً انسانیت پر سب سے بڑا احسان یہ بھی ہے کہ آپ نے بھولی بھٹکی انسانیت کو پھر سے خدا کے در پر پہنچایا اور احساسِ بندگی کو تازہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے یہ حیرت انگیز کارنامہ صرف ۲۳ سالہ مختصر مدت میں انجام دیا۔ ۲۳ سالہ دور میں آپ نے ساری انسانیت کی فلاح وصلاح اور کامیابی کا ایک ایسا نقشہ دنیا کے سامنے پیش کیا کہ اس کی روشنی میں ہر دور میں انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے اور اصلاح وتربیت کا کام انجام دیا جا سکتا ہے۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالی نے جن عظیم مقاصد کو دے کر دنیا میں بھیجا، آپ ﷺ نے ان مقاصد کو بروئے کار لا کر اپنی حیاتِ مبارکہ میں جدوجہد فرمائی وہ ہمارے لیے ایک رہنمایانہ اصول ہیں۔ قرآن کریم میں بنیادی طور پر چار مقاصدِ بعثت کو بیان کیا گیا ہے۔ آئیے ایک مختصر روشنی ان مقاصد پر ڈالتے ہیں:

قرآن میں مقاصدِ بعثت کا تذکرہ

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے تین مقامات پر آپ ﷺ کے مقاصدِ بعثت کو بیان فرمایا ہے، پہلا مقام وہ ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ کی زبان سے اس کا ذکر ہوا، ان کی یہ تمنا تھی کہ نبی آخرالزمان سید الرسل حضرت محمد ﷺ آپ ہی کے خاندان اور نسل سے ہوں؛ چناں چہ اس کے لیے آپ نے جب بیت اللہ کی تعمیر فرمائی، یہ وقت چوں کہ بڑی اہمیت کا حامل تھا، اس کائنات میں خدا کا پہلا گھر اس کی بندگی کے لیے تعمیر کیا گیا تھا، اس حساس اور اہم موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اور کریم پروردگار کی الطاف وعنایات کو سامنے رکھ کر آپ نے دعا کی:

ربناوابعث فیهم رسولامنهم یتلواعلیهم آیتک ویعلمهم الکتاب والحکمة ویزکیهم انک انت العزیز الحکیم۔ (البقرۃ) ''ہمارے پروردگار! ان میں ایک ایسا رسول بھی بھیجنا جو انہی میں سے ہو، جو ان کے سامنے تیری آیتوں کی تلاوت کرے، انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، اور ان کو پاکیزہ بنائے، بیشک تیری اور صرف تیری ذات وہ ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل۔'' جس نبی کی آپ نے تمنا کی تھی اس سے مراد محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ۲: /۲۹)

نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا کا نتیجہ ہوں۔ (مسند ابوداؤد طیالسی)

حضرت ابراہیمؑ نے کائنات کی سب سے عظیم ترین ہستی کو اپنے خاندان میں مانگ لیا اور ہمیشہ کے لیے سعادت کو حاصل کرلیا۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بھیجے جانے کو احسان قرار دیتے ہوئے فرمایا: **لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ** (آل عمران ۱۶۴:) ''حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان انھیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں پاک وصاف بنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے؛ جب کہ یہ لوگ اس سے پہلے یقینا کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا تھے۔''

تیسری جگہ اللہ تعالی نے مقاصدِ بعثت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِيْ الْأُمِّيِّيْنَ رَسُوْلًا مِنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُبِيْنٍ۔ (الجمعۃ) ''وہی ہے جس نے امی لوگوں میں انھیں میں سے ایک رسول کو بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتوں کی تلاوت کریں اور ان کو پاکیزہ بنائیں اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیں؛ جب کہ وہ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔''

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ مقاصدِ بعثت کو مختصر لیکن جامع انداز میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ذرا سا غور کرنے پر نظر آجائے گا کہ رسول اعظم ﷺ کے جملہ فرائض کمالِ ایجاز کے ساتھ چند فقروں میں آگئے ہیں۔ ''یتلوا علیہم آیتک'' رسول کا پہلا کام اپنی امت کے سامنے تلاوتِ آیات ہوتا ہے، یعنی اللہ کا کلام پہنچانا، گویا رسول کی پہلی حیثیت مبلغ اعظم کی ہوتی ہے۔ ''یعلمھم الکتٰب'' رسول کا کام محض تبلیغ و پیام رسانی پر ختم نہیں ہوجاتا، اس کا کام کتابِ الٰہی کی تبلیغ کے بعد اس کی تعلیم کا بھی ہے، اس تعلیم کے اندر کتاب کی شرح، ترجمانی، تعمیم میں تخصیص، تخصیص میں تعمیم سب کچھ آگئی اور یہیں سے ان کج فہموں کی بھی تردید ہوگئی جو رسول کا منصب (معاذ اللہ) صرف ڈاکیہ یا قاصد کی طرح سمجھتے ہیں، گویا رسول کی دوسری حیثیت معلمِ اعظم کی ہوئی۔ ''والحکمۃ'' پھر رسول تعلیم محض کتاب ہی کی نہ دیں گے؛ بلکہ حکمت و دانائی کی تلقین بھی امت کو کریں گے، احکام ومسائل، دین کے قاعدے اور آداب، عوام وخواص سب کو سکھائیں گے اور خواص کی رہنمائی اسرار ورموز میں بھی کریں گے، گویا رسول کی تیسری حیثیت مرشدِ اعظم کی ہوئی۔ ''یزکیہم'' تزکیہ سے مراد دلوں کی صفائی ہے، رسول کا کام محض الفاظ اور احکام ظاہری کی تشریح تک محدود نہیں رہے گا؛ بلکہ وہ اخلاق کی پاکیزگی اور نیتوں کے اخلاص کے بھی فرائض انجام دیں گے، گویا رسول کی یہ چوتھی حیثیت مصلحِ اعظم کی ہوئی۔ (تفسیر ماجدی ۱/ ۱۵۲)

پہلا مقصد: تلاوتِ قرآن

رسول اللہ ﷺ نے امت میں تلاوتِ قرآن کی عظمت واہمیت کو عام فرمایا اور اس کے فوائد وبرکات سے آگاہ کیا اور انسانوں کے ہاتھ میں خدا کا یہ عظیم کلام سونپا جس کی وجہ سے انسانیت قعرِ مذلت سے نکلی اور تلاوتِ قرآن کا ایسا ذوق ان کو عطا کیا کہ اس سے کسی لمحہ صحابۂ کرام کو سیری حاصل نہیں ہوتی تھی اور خود آپ ﷺ جب قرآن کریم کی تلاوت فرماتے کتنے ہی پتھر دل موم ہوجاتے اور

کیسے کیسے سخت مزاج انسان نرم پڑ جاتے اور قرآن کی حقانیت وعظمت کا اقرار کیے بغیر نہیں رہتے اور بہت سے لوگ اسی قرآن کی سماعت سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ دنیا میں جو کچھ انقلاب نظر آرہا ہے بلاشبہ یہ اس عظیم کتاب کی بدولت ہے جو صاحب کتاب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے بطور امانت انسانوں تک پہنچایا اور اس کے تقاضوں کو عملی طور پر پورا کر کے دکھایا۔ قرآن کا نزول عرب کی سرزمین پر ہوا؛ لیکن وہ پوری دنیا کے لیے اور ہمیشہ ہمیش کے لیے معجزہ بن کر آیا اور اس کی کرنیں سارے عالم میں پھیل گئیں اور جہاں قرآن کا نور پہنچا وہاں اندھیریوں کا خاتمہ ہوا اور کفر وشرک نے دم توڑ دیا۔ حضرات صحابۂ کرام کی زندگیوں میں انقلابی اثرات اسی کلام نے پیدا کیے اور وہ انسانوں کے رہبر اور رہنما بنے بھی تو اسی قرآن کی تعلیمات پر عمل کر کے بنے۔ قرآن نے ہر شعبۂ زندگی میں مثالی انقلاب برپا کیا۔ تلاوتِ قرآن کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: جو قرآن کریم پڑھنے میں اس قدر مستغرق ہو کہ اس سے دعا مانگنے کا موقع ملے تو اللہ تعالی نے فرمایا کہ مانگنے والوں سے زیادہ ایسے بندے کو عطا کروں گا۔ (ترمذی)۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں مجتمع ہو کر تلاوت کرتی ہے تو ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے اور رحمت ڈھانپ لیتی ہے، ملائکۂ رحمت ان کو گھیر لیتے ہیں اور حق تعالی اس کا ذکر ملائکہ کی مجلس میں فرماتے ہیں۔ (مسلم)۔

حضرت انس سے ؓ مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس گھر میں قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے اس میں فرشتے آتے اور شیاطین دور ہو جاتے ہیں، وہ اپنے صاحب خانہ کے لیے کشادہ ہو جاتا ہے اور اس میں بھلائی کی بہتات اور شر کی قلت ہو جاتی ہے اور جس گھر میں قرآن کی تلاوت نہ ہو اس میں شیاطین آجاتے ہیں، فرشتے نکل جاتے ہیں اور وہ گھر اپنے باسیوں پر تنگ ہو جاتا ہے، خیر کم اور شر بہت بڑھ جاتا ہے۔ (فضائل حفظ القرآن)

دوسرا مقصد: تعلیم قرآن

قرآن کریم کی تلاوت کرنے کے ساتھ اس کے معانی ومطالب انسانوں کو سمجھانا یہ بھی نبی کی عظیم ذمہ داری رہی اور آپ ﷺ نے الفاظِ قرآنی کے ساتھ معانئ قرآن بھی بتلائے۔ نبی ﷺ نے مرادِ خداوندی کو سمجھایا اور آیاتِ قرآنی کی تشریح کر کے امت کو اس کے مقصد سے آگاہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کیا چاہتے ہیں؛

اس لیے صحابۂ کرام جہاں الفاظِ قرآنی کے یاد کرنے کا اہتمام کیا کرتے تھے، وہیں معانی و مطالب کو بھی سمجھنے میں مصروف رہا کرتے تھے۔ قرآن مجید کو پڑھنے کے ساتھ اس کے معانی اور مضامین میں تدبر کرنا، اس کے مفہوم میں غور و فکر کرنا، تفاسیر قرآن کی روشنی، نبی کریم ﷺ کی تشریحات اور صحابۂ کرام کے عمل سے قرآن مجید کے مقصود تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے؛ کیوں کہ جب تک مطلوب قرآن کو نہیں سمجھا جائے گا تو یقینی طور پر عمل آوری کا جذبہ بھی نہیں ابھرے گا اور اللہ تعالیٰ کیا فرمارہا ہے اس سے آگہی بھی حاصل نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے نہایت چونکا دینے والے انداز میں فرمایا: اَفَلَا یَتَدَبَّرُونَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوبٍ اَقْفَالُهَا۔ یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں؛ اس لیے قرآن کریم کو سمجھنا اس کا حق ہے۔ قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق عمل کرنا بھی اہلِ ایمان کی ذمہ داری ہے۔ قرآن صرف پڑھ کر یا سمجھ کر رکھ دینے کی کتاب نہیں ہے؛ بلکہ اس کے مطابق زندگیوں کو بنانے اور سنوارنے کی ضرورت ہے۔ قرآن نے حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے لیے اصول بتائے اور اس کی تشریح نبی کریم ﷺ نے فرمائی۔ قرآن کریم میں حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ۔ (الانعام) یعنی یہ (قرآن) مبارک کتاب جو ہم نے نازل کی اس کی اتباع کرو۔ اور ایک جگہ فرمایا کہ: اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَّبِّكُمْ۔ (الاعراف ۳:) یعنی جو کچھ تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے، اس کی اتباع کرو۔

تیسرا مقصد: تزکیہ نفس

نبی اکرم ﷺ کا تیسرا مقصد دنیا میں بھیجے جانے کا یہ ہے کہ آپ ﷺ انسانوں کے دلوں کو پاک صاف کریں، ان کے دلوں میں کفر و شرک کی جو گندگیاں اور اخلاق و اعمال کی خرابیاں ہیں ان کو نکال باہر کریں اور دلوں کو اس قابل بنائیں کہ وہ یادِ الٰہی کا مسکن اور محبتِ رسول کا مرکز بن سکے؛ چنانچہ آپ ﷺ نے جہاں معاشرہ کی اجتماعی اصلاحی کوششیں کی، وہیں انفرادی طور پر بھی دلوں کی اصلاح کا اہتمام فرمایا۔ خدا کی حضوری کا احساس پیدا کیا، روزِ قیامت کی باز پرس کی فکر پیدا کی، اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کا خیال دلوں میں راسخ کروایا۔ یہی نتیجہ تھا کہ معمولی درجہ کا گناہ بھی سرزد ہو جاتا یا تنہائیوں میں کسی

جرم کا ارتکاب کر لیتے تو فوری رسالت مآب ﷺ کے حضور حاضر ہو کر اس کی تلافی کروا لیتے ؛ تا کہ آخرت کے سخت ترین عذاب سے حفاظت ہو جائے ۔ انسانی معاشرہ کو آلائشوں اور گندگیوں سے عمومی طور پر بچانا ہو تو فرداً فرداً انسانوں کی اصلاح ضروری ہے، اور یہ ہر انسان کے دل کی اصلاح پر موقوف ہے؛اسی لیے سب سے پہلے دل کو درست کرنا ضروری ہے؛ کیوں کہ دل ہی تمام جسم کا سردار اور سارے اعضاء میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے ۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جسمِ انسانی میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے اگر وہ درست ہو تو سارا جسم صحیح ہوگا اور اگر وہ خراب ہو جائے تو جسم سارا فساد میں مبتلا ہو جائے گا،غور سے سنو! وہ دل ہے ۔ (بخاری)اس کے لیے آپ ﷺ نے امت کو اس بات کی تعلیم دی کہ ہمیں سب سے پہلے اپنے دل کو برائیوں سے پاک کرنا ضروری ولازم ہے؛ تا کہ اچھی طرح قلب میں محسنات جاگزیں ہوں ۔ جو چیزیں انسان کو ہلاک کرنے والی اور دین ودنیا میں نقصان کا باعث ہوتی ہیں جیسے : حسد، کینہ، کذب، غیبت،بغض،عناد،طمع اور بخل ان تمام سے بہت اہتمام کے ساتھ بچنے کی تعلیم دی ۔ دل کی اصلاح یقینا سارے اعمال میں انقلابی روح پیدا کرنے والی ہے؛اسی لیے اس کی بڑی اہمیت اور تاکید بھی احادیث و آیات میں آئی ہیں ۔

چوتھا مقصد : تعلیم حکمت

چوتھا کام آپ ﷺ کا امت کو حکمت کی تعلیم دینا ہے ۔حکمت سے مراد رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے ۔(تفسیر ابن کثیر) آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی میں انسانوں کے لیے ہر اعتبار سے نمونہ موجود ہے ۔آپ ﷺ کی تمام تر تعلیمات انسانیت کے لیے سعادت و کامیابی کی علامت ہیں ۔آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا اس پر عمل پیرا ہونے میں ہی فلاح دارین پوشیدہ ہے؛اس لیے آپ ﷺ نے اپنی امت کو سنت کی تعلیمات سے نوازا اور طریقۂ زندگی کے اصول وآداب بتلائے ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اتباع پر اپنی محبت کو موقوف رکھا ہے؛ چنانچہ ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ (آل عمران) (اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے بھی محبت کرے گا اور تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کردے گا ۔مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ ورسول ﷺ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ دونوں کی اطاعت کی جائے اور لکھا ہے کہ : نبی کریم سے محبت کی علامت

آپ ﷺ کی سنتوں سے محبت کرنا ہے۔ (تفسیر قرطبی) نبی کریم ﷺ کا ارشا ہے کہ جوشخص میری سنت سے محبت رکھتا ہے درحقیقت وہی مجھ سے محبت رکھتا ہے اور جو مجھ سے محبت کرے گا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ (مشکوۃ)

آخرت کی بات

آپ ﷺ نے ان چار بنیادی مقاصد کے تحت انسانیت کی تعمیر وترقی کا کام انجام دیا اور ایک بگڑے ہوئے معاشرہ اور تباہی کے دہانے پر جاچکی دنیا کو سنوارا اور بہتر سے بہتر انداز میں ان کی تربیت فرمائی۔تلاوتِ قرآن کا شوق پیدا کیا،تعلیماتِ قرآنی پرعمل پیرا ہونے کا مزاج بنایا، دلوں میں موجود خرابیوں کی اصلاح ،نفرت وعداوت ،حسد وبغض ،اور بہت ساری بیماریوں سے نجات پانے کی فکر بیدار کی اور دلوں میں اطاعت وفرماں برداری کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا کہ جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو کامیاب وکامران فرمایا۔قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیے یہ چار چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں کہ اس کی روشنی میں خود کو سنوارنے اور معاشرہ کو سدھارنے کی کوشش کی جائے۔امت میں تلاوتِ قرآن کا مزاج پیدا کیا جائے جو برکتوں اور رحمتوں کا ذریعہ ہے، معانی قرآن کو سمجھتے ہوئے مطالباتِ قرآن کو پورا کرنے کی دعوت دی جائے جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔مردہ دلوں کو زندہ کرنے، اور روح کی بیماریوں کا علاج کروانے کے لیے اہل اللہ سے رجوع ہونے اور اللہ کے نیک بندوں کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کی تلقین بھی ضروری ہے،جس سے ذات کی بھی اصلاح ہوگی اور معاشرہ کی بھی اور سنتوں سے زندگیوں کو روشن کرنے،گھر اور ماحول میں سنت کی تعلیمات کو عام کرنے کی محنت کو عام کیا جائے۔

باطل کو اہمیت نہ دیں

فرمایا کہ مناظروں اور جوابی رسالوں نے اہلِ باطل کو بہت فروغ دے دیا ہے، ورنہ اگر بے پروائی برتی جاتی، ان کے رد کی جانب کچھ التفات ہی نہ کیا جاتا تو اُن کو اتنی اہمیت حاصل نہ ہوتی جتنی اب حاصل ہوگئی ہے۔مناظروں سے تو اہلِ باطل کو فروغ ہوتا ہے اور نتیجہ کچھ نہیں ہوتا،البتہ اہلِ باطل کا اثر مٹانے کے لیے حق کی تقریر واشاعت بار بار اور جابجا کرنا البتہ نافع ہے۔(انفاسِ عیسیٰ حصہ دوم)

ائمہ مساجد اور اصلاح معاشرہ

مولانا عبدالمتین

ائمہ مساجد ہمارے معاشرے کا اہم کردار ہیں اور وہ لوگ ہیں جن کو ہم اپنے معاشرے کا مقدس ترین ادارہ یعنی ''مسجد'' حوالہ کرتے ہیں اور مسجد کے حوالے سے ہم اب تک بخوبی جان چکے ہیں کے یہ دیگر عبادت خانوں کی طرح صرف مذہبی رسوم وعبادت ادا کرنے کی جگہ نہیں ہے؛ بلکہ مسجد کا ایک اسلامی معاشرے میں بہت وسیع کردار ہے جو صوم وصلاۃ سے بڑھ کر ہماری زندگی کے بہت سے زندہ مسائل سے تعلق رکھتا ہے۔

مسجد نبوی کا کردار

معاشرے میں مسجد کا کردار سمجھنے کے لیے آپ ﷺ کے مبارک دور میں ''مسجد نبوی'' کی سرگرمیوں پر غور کیا جائے تو بہت سے سوالات کا جواب مل جائے گا مثلاً آپ ﷺ کے معمولات میں دیکھا جائے تو آپ صرف پنج وقتہ امامت کے لیے مسجد نبوی نہیں جاتے تھے؛ بلکہ قضاء کی مجالس، تعلیمی سرگرمیاں، سوال و جواب کی نشستیں، تزکیہ کی مجالس وغیرہ سب کچھ مسجد نبوی میں ہوتا تھا یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس تفصیلی تعلیم وتربیت کے مرحلے سے گزرے ہیں اس کا بیشتر حصہ مسجد نبوی ہی میں انجام دیا گیا ہے۔

یہی مساجد آج ہمارے آس پاس موجود ہیں؛ بلکہ ہر کچّی پکّی گلی میں مسجد موجو ہے، شہر، قریہ، ملک، آباد ویران، خشکی تری، جنگل بیابان ہر جگہ آپ کو مسجد ملے گی۔ تمام مساجد میں آج بنیادی سہولیات بھی موجود ہیں مثلاً امام، موذن، خادم، انتظامیہ، نمازی (اگر چہ تھوڑے) ایسا ہوسکتا ہے کہ آپ کو کوئی عالم دین بغیر مسجد کے ملے؛ لیکن ایسا نہیں ہوسکتا کہ کوئی مسجد آپ کو بغیر امام کے ملے۔

مسجد ایک وسیع ذریعہ ابلاغ

اس پہلو کو بہت سنجیدگی کے ساتھ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ مساجد ہمارے معاشرے کے لیے

ایک Media Cell کا درجہ رکھتی ہیں۔ایک ایسا میڈیا اور ذریعہ ابلاغ جو اس کے متعلقین تک دین کا پیغام پہنچا سکے قابل غور پہلو ہے کہ ہماری ہر گلی میں مسجد ہونے کے باوجود ہم اس مسجد کے آس پاس رہنے والوں تک دین کا پیغام نہیں پہنچا رہے اور یہ لوگ مسجد کی تمام ضرورتوں کو پورا کر رہے ہیں، اس کے بدلے ہم مسجد کا امام ہونے کی حیثیت سے ان کی دینی ضرورت کا کتنا خیال رکھ رہے ہیں؟ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا پنج وقتہ مقتدی جب اپنے گھر جاتا ہے اور آج کے مروج ذرائع ابلاغ ٹی وی، موبائل، انٹرنیٹ، اخبار وغیرہ کی طرف بڑھتا ہے تو اس دجالی میڈیا کا نہ ختم ہونے والا جال جو اس کی طرف بڑھتا ہے اور اسے ضروری غیر ضروری ہر عنوان سے باخبر رکھتا ہے جس میں علاقہ، شہر، ملک، بین الاقوامی، سیاست، صحت، کاروبار غرض ہر عنوان کی معلومات فراہم کرتا ہے، جو اس گھر بیٹھے نمازی تک با آسانی پہنچ جاتی ہیں اور وہ انتہائی دلچسپی کے ساتھ اس دجالی میڈیا سے باخبر ہونے کا شوق پورا کرتا ہے۔اسی طرح میڈیا اس کے ذہن، عادات، گھر اور آس پاس کے ماحول میں جگہ بنا تا رہتا ہے اور ایک وقت آتا ہے جب اس نمازی مقتدی کے نظریات، تعلیم، اخلاق، گھر، معاشرت اور معاملات غرض زندگی کے ہر حصے میں میڈیا کی محنت کا اثر دکھائی دیتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ہم سے اتنا قریب رہنے کے باوجود دور کیوں ہوتا جا رہا ہے اور غیروں سے اجنبیت کا تعلق ہونے کے باوجود ان کی ہر بات میں ہاں میں ہاں ملاتا جا رہا ہے۔مسئلہ دراصل یہ ہے کہ ہم اپنے مقتدی کو کچھ دینا ہی نہیں چاہتے، حالانکہ اگر ہم خلوص دل اور محنت کے ساتھ دین کا پیغام اس تک پہنچانا چاہیں تو وہ شخص ہم سے آسانی اور بہت خوبی کے ساتھ بہت کچھ سیکھ سکتا ہے اور ہم ذیل میں وہ عوامل ذکر کرتے ہیں جن کے سبب ایک عام شخص میڈیا سے کئی گنا زیادہ مساجد سے مستفید ہو سکتا ہے۔

مثال کے طور پر آپ ایک اندازہ لگالیں کہ آپ کے شہر میں دس ہزار مساجد ہیں اور ان دس ہزار مساجد میں ہر جمعہ تقریباً 100 نمازی (کم از کم اندازہ) جمعہ پڑھنے آتے ہیں۔اس کا مطلب ہر ہفتہ کم از کم دس لاکھ لوگ مساجد کا رخ کرتے ہیں اور مزید یہ کہ یہ سب کے سب عقیدت، طہارت اور آداب کی حد درجہ رعایت کے ساتھ امام مسجد کے مخاطب بنتے ہیں۔یہ صرف نماز جمعہ کی مثال ہے؛ جب کہ روزانہ پانچ مرتبہ تقریباً ہر گلی سے کچھ نہ کچھ لوگ مساجد کا رخ کرتے ہیں (جس میں نوجوانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے) تو کیا اس سلسلے میں ہماری یہ ذمہ داری نہیں بنتی کہ ہم ان تمام لوگوں کی تعلیم وتربیت کا

مضبوط انتظام کریں، تا کہ ان تمام نمازیوں کا مسجد آنا جانا ان کے اپنے لیے اور اس معاشرے کے لیے اصلاح کا ذریعہ بن جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان پر خلوص اور بھر پور توجہ سے محنت کی جائے تو ان کی ایمانی، اخلاقی، معاشرتی اور تجارتی زندگی میں ایک دینی رنگ چھا سکتا ہے۔

دس نکاتی ایجنڈہ

ائمہ مساجد اصلاح معاشرہ کے لیے کیا کچھ کر سکتے ہیں اس پروگرام کو ذکر کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ کچھ بنیادی باتیں ذکر کی جائیں؛ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ کسی بھی مشن پر جانے والا شخص اپنے مشن اور منزل مقصود کی تمام بنیادی ضروریات کا خیال رکھتا ہے اور اس بات کی بھر پور تسلی کرتا ہے کہ میں نے اپنی کوئی تیاری ادھوری نہ چھوڑی ہو، ٹھیک اسی طرح چونکہ ائمہ مساجد کا اصل مقصد مسجد اور اس مسجد کے آس پاس کے ماحول کو صالح ماحول میں بدلنا ہوتا ہے۔ امام مسجد کا کردار اس ماحول میں موجود تمام لوگوں کے لیے مثالی بن جائے اس کے لیے ضروری ہے کہ:

(۱) امام کا تعلق علاقہ کے لوگوں کے ساتھ صرف مصافحہ کی حد تک نہ ہو؛ بلکہ ان کے احوال کی بھر پور فکر مندی جیسا رویہ ہو۔

(۲) جنازہ اور نکاح نہ پڑھانا ہو تب بھی شرکت کا اہتمام کیا جائے۔

(۳) موقع بموقع اپنے مقتدیوں کی دعوت کی جائے، جس سے لوگوں کے دلوں میں امام صاحب کا وقار بڑھے گا۔

(۴) ضرورت مند ساتھیوں کی امداد کی جائے ورنہ کم از کم ان کے دکھ درد میں شریک ہونے کا اہتمام کیا جائے۔

(۵) مقتدیوں کے علاوہ دوسرے لوگوں سے بھی تعلق رکھا جائے اور مل جل کر بیٹھنے کا اہتمام کیا جائے اور اس میں امیر غریب، صاحب استطاعت اور بے روزگار میں امتیاز نہ برتا جائے۔

(۶) جتنا زیادہ ہو سکے اہل السنہ والجماعہ کے عقیدے کو فروغ دیا جائے ورنہ فرقہ واریت کے خدشات بڑھ جائیں گے۔

(۷) نوجوانوں کے پوچھے گئے سوالات کو بالکل بھی نظر انداز نہ کیا جائے؛ بلکہ چھوٹے بڑے تمام سوالات کو اہمیت دی جائے، چاہے وہ سوالات کسی بھی حوالے سے ہوں جن میں خاص کر

موجودہ میڈیائی فتنے شامل ہیں جن کو دیکھ کر ان نوجوانوں کے ذہنوں میں دین، ایمان، توحید، رسالت اور آخرت سے متعلق شکوک وشبہات پیدا ہوتے جارہے ہیں۔ ان سوالات کا اگر بروقت تسلی بخش جواب نہ دیا گیا تو ان کا ایمان خطرے میں پڑ سکتا ہے۔

(۸) نوجوانوں کو ان کے مسائل میں ائمہ مساجد رہنمائی نہیں کریں گے تو وہ اپنے مسائل و اشکالات کو بھلا بیٹھنے والے نہیں؛ بلکہ وہ انہی مسائل کے ساتھ جب مختلف تجدد پسند یا گمراہ فکر کے حامل لوگوں تک پہنچتے ہیں تو وہ انھیں اپنے طور پر ان مسائل کا حل پیش کرتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ علماء اور تمام تر روایتی فکر سے منحرف ہوجاتے ہیں۔

(۹) ائمہ مساجد اس بات کے حریص ہوں کہ ان کے وجود سے علاقہ کے لوگوں کو جتنا زیادہ دینی فائدہ ہوسکے ہوتا رہے۔

(۱۰) جو بھی بات کہی جائے وہ لوگوں کی ذہنی سطح، ماحول اور ضرورت کے اعتبار سے کہی جائے۔

مقاصد بعثت ایک بہترین لائحہ عمل

ائمہ مساجد چونکہ علماء ہیں اور علماء انبیاء کے وارث ہیں اور سید الانبیاء علیہ السلام کی زندگی تمام ائمہ کے لیے ماڈل کی حیثیت رکھتی ہے اور ان کی زندگی کا جو مشن تھا وہ قرآن کریم میں بہت وضاحت کے ساتھ بیاں ہوا ہے:

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ آپ نے مؤمنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں پاک صاف بنائے اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، جب کہ یہ لوگ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔ (آل عمران)

اس آیت میں آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد تلاوت، تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ بیان کیا گیا ہے، جس کی توضیح کی آسان صورت یہ ہے:

(۱)	تلاوت:	تجوید، ناظرہ اور حفظ قرآن
(۲)	تعلیم کتاب:	قرآن کی تفسیر
(۳)	تعلیم حکمت:	حدیث رسول
(۴)	تزکیہ:	اخلاقیات اور تربیتی نظام

یہی چار کام دراصل ائمہ مساجد کی اصل ذمہ داری ہیں، یہ قرآن کریم کا تیار کردہ بہترین لائحہ عمل ہے جس پر محنت کر کے ائمہ مسجد آس پاس کے ماحول میں موجود ہر فرد کی دینی ضرورت پوری کر سکتے ہیں۔ نیز ائمہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے مقتدی کے دل میں مذکورہ امور کی اہمیت کا بیج بونے میں کامیاب ثابت ہوں، یہ بات ذہن وقلب میں راسخ کی جائے کہ ہماری تمام ضرورتوں میں دین سیکھنا اور اس سیکھے ہوئے دین کو اپنے ماحول میں اس طرح نافذ کرنا کہ دین زندگی میں فقط اقوال کی حد تک نہ ہو بلکہ افعال واعمال میں دین کی روشنی چھا جائے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو قابلیت کی بہت سی ڈگریاں جمع کرنے کے باوجود قرآن کریم کی نظر میں ہم پر گمراہی کی مہر لگی رہے گی جیسا کہ سورۃ الجمعہ میں مقاصد بعثت ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ (الجمعة)

ترجمہ: وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انھیں میں سے بھیجا، جو ان کے سامنے اس کی آیات پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے؛ حالانکہ بلا شبہ وہ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں تھے۔

مسجد ایک بہترین میدانِ عمل

الغرض اس طریقے سے ائمہ مساجد کے لیے کام کرنے کا ایک بہترین فورم تیار ہو جاتا ہے۔ اس وقت ائمہ کے پاس امت کی تعلیم وتربیت کے لیے ایک بہترین میدان میسر ہے جس میں:

۱: مسجد کی صورت میں ایک منظم ادارہ
۲: ائمہ وفضلائے مدارس کی صورت میں قابل اساتذہ
۳: نمازیوں کی صورت میں طلبہ
۴: پنج وقتہ نمازوں کی صورت میں اوقاتِ تعلیم
۵: قرآن وحدیث کی صورت میں ایک بہترین نصابِ تعلیم کی سہولیات موجود ہیں۔

ضرورت صرف متحرک اور فکرمند ہونے کی ہے جس کا نتیجہ ان شاء اللہ اصلاح معاشرہ کی صورت میں نظر آئے گا۔ ذیل میں قرآن کریم کے ذکر کردہ اس لائحہ عمل کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ تلاوت ۲۔ تعلیم کتاب ۳۔ تعلیم حکمت ۴۔ تزکیہ

(۱) تلاوت

ائمہ مساجد سب سے پہلے اس بات کا جائزہ لیں کہ ان کے مقتدی قرآن کریم پڑھ سکتے ہیں یا نہیں اگر پڑھ سکتے ہیں تو ان کو بہت شوق ومحبت کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کے مستقل معمول کا عادی بنایا جائے، تا کہ اسے بلاناغہ معمول بنالیں۔جس کے نتیجے میں ان کے گھر، دفتر، دکان، مسجد ہر جگہ تلاوت قرآن کریم کی گونج عام ہوجائے۔

تجوید وناظرہ قرآن

اگر قرآن نہیں پڑھا تو تجوید سیکھنے کے لیے ان کو تیار کیا جائے۔تجوید قرآن ایک بہت مشکل عنوان ہے؛ لیکن حقیقت میں بہت آسان اور معمولی محنت کے ساتھ ہاتھ آنے والا فن ہے۔ مقتدیوں کو سہولت دی جائے کہ آپ فجر سے عشاء تک کسی بھی نماز کے بعد اپنی سہولت دیکھ کر کوئی بھی وقت متعین کرلیں اور روزانہ صرف 20 منٹ نکال کر تجوید کے بنیادی قواعد سیکھ لیں (اس کام کے لیے قرّاء حضرات کی خدمات لی جاسکتی ہیں) اور جب ان کی تجوید درست ہوجائے تو کلمہ، نماز، تسبیحات، آیۃ الکرسی، دعائے قنوت اور دعائیں وغیرہ سکھائی جائیں۔(ان بنیادی امور کے سکھانے میں بالکل بھی دیر نہ کی جائے، بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ہمارے دروس میں مستقل حاضر مقتدی سے جب اس کا کلمہ سنا جاتا ہے تو وہ بھی درست نہیں ہوتا جب کہ اسے واقعات ومسائل کی بڑی تفصیلات سے آگاہی حاصل ہوتی ہے) اس کے بعد قرآن کریم ناظرہ پڑھایا جائے اور ہوسکے تو فضائل کی مختلف سورتیں مثلاً یٰسین، رحمٰن، کہف اور عم پارہ وغیرہ حفظ کرایا جائے۔اس طرح ایک عام شخص کا دینیات اور قرآن کریم کی بنیاد کے ساتھ ایک مضبوط تعلق پیدا ہوجائے گا، ان شاء اللہ۔

۲۔تعلیم کتاب

تعلیم کتاب دراصل قرآنی اصطلاح میں اس وسیع تعلیم کا نام ہے جس میں قرآن کریم کے پیغام کا ذکر آتا ہے۔اس وقت امت مسلمہ قرآن کریم کے پیغام سے کوسوں دور ہوچکی ہے، نہ قرآن کے الفاظ کی اہمیت کا اندازہ ہے اور نہ ہی اس کے معانی کی ضرورت کا ادراک۔جس طرح قرآن کے الفاظ (تفصیل گزرچکی) کی محنت ضروری ہے ٹھیک اسی طرح ان الفاظ کے معانی ومفاہیم جن

میں رب العالمین اپنے بندوں سے مخاطب ہیں اس محنت کی بھی اتنی ہی ضرورت ہے۔

یہ امر مسلّم ہے کہ امت کا قرآن کریم کے ساتھ تعلق کمزور ہونے کا سب سے بڑا فائدہ ان مختلف گمراہ متجددین کو ہوا ہے جو امت کو اسی قرآن کے نام پر اپنی تاریخ وملت سے کاٹنے کی تگ ودو کرتے رہتے ہیں۔ یہ ایک عام شخص کو اپنے مخصوص فریبی انداز میں اسلامی تہذیب وتمدن سے متنفر اور غیروں کے طرز فکر سے قریب کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ائمہ کرام مساجد میں قرآنی فکر کو بہت آسان اور معیاری انداز میں امت تک پہنچائیں، مدارس میں قرآن کریم کو جس محنت کے ساتھ ہمیں سکھایا گیا ہے ضروری ہے کہ ہم بھی اس محنت کے بدلے قرآن کے پیغام کو پھیلانے کی سعی کریں۔ قرآن کے ذریعے عقائد ونظریات پر خاص طور پر محنت کی جائے، یہ ایسا دور ہے کہ جس میں باطل عقیدہ فکر پر ہر پل حملہ آور ہے، آزادی، مساوات اور ترقی کے نام پر تابڑ توڑ حملے کیے جارہے ہیں، کثیر تعداد میں افراد اور وسائل صرف کیے جارہے ہیں، میڈیا، تعلیم ہر طرح سے کوشش کی جارہی ہے کہ ایک مسلمان کا عقیدہ کسی نہ کسی طرح کمزور یا مشکوک بنایا جائے۔ ایسے موقع پر امام مسجد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے تمام مقتدیوں کی فکر کرے اور کسی نہ کسی طرح انہیں باطل کے اس منظم شکنجے سے نکال کر ان کے عقیدے کی اصلاح کرے ورنہ ایک وقت آئے گا جب ہماری مساجد میں فقط گنتی کے چند بوڑھے نمازی باقی رہ جائیں گے اور نوجوانوں کا قیمتی سرمایہ اغیار کے مادّی تیر کا شکار ہو چکا ہوگا۔ اس حوالے سے نوجوان اور خاص کر بے روزگار ساتھیوں کی بھرپور نگرانی کی جائے کہ کہیں وہ کسی NGO کے جھانسے میں آکر اپنا معاش حاصل کرنے کی کوشش میں اپنے ایمانی سرمائے کو داؤ پر نہ لگادے۔

ان تمام مسائل کے حل کے لیے قرآن کریم بہترین اور دوٹوک رہنمائی فراہم کرتا ہے جس سے ایمان وفکر میں پختگی، عزائم میں حوصلہ پیدا ہوجاتا ہے اور الحادی ومادّی تمام فتنوں کا سدّ باب ہوجاتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنی مساجد میں دروس قرآن کی منظم ترتیب بنائی جائے۔

۱— درس قرآن

۲— درس تفسیر

درس قرآن کی وقت، ماحول اور ضرورت کے مطابق روزانہ، ہفتہ وار بہت سی صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱— موضوعاتی درس قرآن
۲— سلسلہ وار درس قرآن (فاتحہ تاناس)
۳— درس مضامین قرآن (خلاصہ)
۴— درس احکام القرآن
۵— درس قصص القرآن
۶— درس تفسیر

۲— درس تفسیر کا اصل طریقہ کار یہ ہے کہ اس کے لیے مستقل کچھ ساتھیوں کا انتخاب کیا جائے اور ان مقتدی حضرات کو شریک کیا جائے جو تجوید و ناظرہ کے مراحل سے گذر چکے ہوں، جس کے بعد ان کو چند ماہ بنیادی عربی گرامر سکھلائی جائے اور اس کے بعد باقاعدہ قرآن کی تفسیر ایک فنی انداز میں پڑھائی جائے، اس کے نتیجے میں وہ قرآن کے مباحث کو ایک مضبوط انداز میں سمجھنے کے اہل بن سکیں گے۔

۳۔ تعلیم حکمت

مقاصد بعثت میں ایک اہم مقصد حکمت کی تعلیم ہے، جس سے آپ ﷺ کے گرانقدر اور قیمتی ارشادات مراد ہیں جس میں قرآن کریم کی تشریح وتوضیح فرمائی گئی ہے۔ حدیث دراصل آپ ﷺ کے اس مکمل طرز زندگی کا نام ہے جسے قرآن ''اسوۂ حسنہ'' کا نام دیتا ہے، جس کی خوبی یہ ہے کہ اس میں گود سے گور تک تمام تفصیلات موجود ہیں۔

انسان کی سبعیت و بہیمیت

درندوں کے بھٹ اور سانپوں کے جنگلوں میں امن اور راحت ملے گی؛ مگر اب انسانوں کی بستیاں اور اولادِ آدم کی آبادیاں راحت کے سانس اور امن کے تنفس سے خالی ہوگئی ہیں؛ کیونکہ وہ جو خدا کی زمین پر سب سے اچھا اور سب سے بڑھ کر تھا اگر سب سے برا اور سب سے کمتر ہوجائے تو جس طرح اس سے زیادہ کوئی اور نیک نہ تھا ویسا ہی اس سے بڑھ کر اور کوئی برا بھی نہیں ہوسکتا۔

شیر خونخوار ہے؛ مگر غیروں کے لیے، سانپ زہریلا ہے؛ مگر دوسروں کے لیے، چیتا درندہ ہے؛ مگر اپنے سے کمتر جانوروں کے لیے؛ لیکن انسان دنیا کی اعلیٰ ترین مخلوق خود ہی اپنے ہم جنسوں کا خون بہاتا ہے اور اپنے ہی ابنائے نوع کے لیے درندہ خونخوار ہے۔ (تحریک آزادی، صفحہ 28 :)

وقت کی پکار

مولانا سید احمد ومیض ندوی

نیٹ اور ای میل کے وسیع استعمال سے قبل جب سارا انحصار ڈاک نظام پر تھا تو بڑے شہروں میں جگہ جگہ پوسٹ باکسیس نصب کئے جاتے تھے جہاں سے خطوط اکٹھے کر کے اور انھیں چھانٹ کر ان کی منزل مقصود تک پہوچایا جاتا تھا، اس قسم کے پوسٹ باکسیس سے ہر شخص واقف ہے لیکن گذشتہ دنوں اردو کے ایک کثیر الاشاعت معروف روزنامہ میں نئے انداز کے باکسیس سے متعلق خبر پڑھ کر حیرت کی انتہا نہ رہی، خبر کچھ یوں تھی:

انڈیانا (امریکہ) میں اب ایسے غیر شادی شدہ والدین جن کو بچہ ہو گیا ہے اور وہ اسے پالنا نہیں چاہتے، بچے کو ڈراپ ان باکسیس میں ڈال سکتے ہیں، ڈراپ باکسیس کو کچھ اس طرح تیار کیا گیا ہے کہ اس میں ڈالے جانے والے نوزائدہ بچوں کا دم نہیں گھٹے گا، چوں کہ وہاں کلائمیٹ کنٹرول کا پورا پورا اہتمام ہوگا، جب جب کسی بچے کو باکس میں ڈالا جاتا ہے تو ایمرجنسی اسٹاف کو چوکس کر دیا جاتا ہے اور وہ فوری طور پر بچہ حاصل کر لیتے ہیں، اس نوعیت کے پہلے ۱۰۰ باکسیس کی تنصیب کے اخراجات نائٹ آف کولمبس نامی تنظیم پوری کرے گی۔ (روزنامہ سیاست ۶ مئی ۲۰۱۶ء)

بہت سے لوگوں کے لئے شاید اس خبر میں کوئی اچنبھے کی بات نہ ہو، اس لئے کہ مشرقی مما لک میں بھی بن بیاہے تعلقات قائم کر کے نوزائدہ بچوں کو کوڑے دانوں کی نذر کرنا اب معمول بنتا جا رہا ہے، آئے دن اخبارت میں اس قسم کی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں کہ کچڑے کے کنڈی میں شیر خوار بچہ پڑا ہوا پایا گیا، لیکن مغربی تہذیب کے علمبردار امریکہ اور دیگر یورپی ملکوں میں اب نوبت یہاں تک پہونچی اور اس قسم کے واقعات اس کثرت سے پیش آنے لگے کہ جگہ جگہ ڈراپ ان باکسس کی تنصیب ناگزیر ہوگئی، حیرت اس پر نہیں کہ امریکن معاشرے میں پوسٹ باکسس کی طرح حرام بچوں کے لئے باکسس لگائے جانے لگے ہیں، حیرت ان اہل مشرق پر ہے جو غلاظت اور جنسی انارکی کے دہلیز پر کھڑی حیا باختہ اور انسانیت نا آشنا مغربی تہذیب کے نہ صرف دلدادہ ہیں بلکہ اس کی نقالی کو باعث فخر خیال کرتے ہیں، چنانچہ ایسے فریب خوردہ جاہلوں کے سبب مغربی تہذیب کی وہ ساری غلاظتیں جو مغربی معاشروں کے لئے سوہانِ روح بنی ہوئی ہیں ایک ایک کر کے مشرق میں عام ہوتی جاری ہیں، مغربی تہذیب کے ماضی اور اس کے

حال کا جائزہ لیا جائے تو وہ ایک خونخوار ظلم و بربریت کی خوگر، خدا نا آشنا، جنس زدہ کرم خوردہ اخلاقی قدروں سے عاری عریانیت وفحاشی کی علمبردار ایک ایسی تہذیب ہے جس کی بنیاد خودغرضی ومفاد پرستی پر رکھی گئی ہے، جس کا خمیر اباحیت وعریانیت سے اٹھا ہے اور معدہ اور مادہ کی پرستش جس کے رگ وریشہ میں پیوست ہے جس کے علمبردار سب سے زیادہ انسانی حقوق کی راگ الاپتے ہیں، لیکن پوری دنیا میں حقوق انسانی کو پیروں تلے وہی روندتے ہیں، ذرا مغربی تہذیب کے ماضی کی طرف آئیے، انسانیت دشمن کارناموں سے صفحات کے صفحات سیاہ نظر آئیں گے، اہل مغرب اسلام پر غلامی کی حوصلہ افزائی کا الزام دیتے ہیں، لیکن غلاموں کے حوالہ سے خود مغربی تہذیب کا دامن کس قدر داغدار ہے اس کی تفصیلات کے تصور ہی سے بدن پر کپکپی طاری ہونے لگتی ہے، عہد قدیم کی سب سے متمدن کہلانے والی مملکت یونان میں غلاموں کی تعداد آزاد لوگوں سے بڑھ گئی تھی، اس لئے کہ وہاں پر پیشہ ور اور محنت ومزدوری کرنے والے کو غلام شمار کیا جاتا تھا، یونانی فلاسفہ کا استاذ الاساتذہ ارسطو کہتا تھا کہ غریب لوگ پیدائشی طور پر امراء کے غلام ہیں، یہ مملکت تین لاکھ اور ۹۰ ہزار آزاد شہریوں پر مشتمل تھی، قدیم یونانی تہذیب میں غلاموں کو قتل کردیا جاتا تھا اور ان کا جنسی استحصال کرنا جرم نہیں سمجھا جاتا تھا، بسا اوقات غلاموں کا اجتماعی قتل ہوتا تھا لیکن کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی تھی، افلاطون جو انسانی اقدار کا یونانی معلم سمجھا جاتا ہے کے نزدیک غریب لوگ عام انسان نہیں بلکہ ان کی پیدائش غلامی اور مفلوک الحالی کے لئے ہوتی ہے، وہ اپنی معروف تصنیف ''ری پبلک'' میں لکھتے ہیں:

''کچھ لوگوں میں حکمرانی کی صلاحیت ہے وہ سونے سے پیدا ہوئے ہیں، کچھ لوگوں میں ان سے تعاون کی صلاحیت ہے وہ چاندی سے پیدا ہوئے ہیں، کچھ لوگ کاشت کار اور ہنرمند ہیں وہ پیتل اور لوہے سے پیدا ہوئے ہیں''۔

یورپ کی دوسری بڑی تہذیب رومن تہذیب تھی جو سلطنت روما کے بطن سے پیدا ہوئی، رومی افواج جن علاقوں کو فتح کرلیتی تھیں وہاں کے باشندوں کو مکمل طور پر غلام بنالیا جاتا بلکہ رومی تہذیب نے افلاطون کا نظریہ اپنالیا تھا، افلاطون کہتا تھا:

''انصاف طاقتور کے مفاد کے سوا کچھ نہیں، دنیا میں ہر جگہ انصاف کا فقط ایک اصول ہے، اور وہ ہے طاقتور کا مفاد، نیز غلاموں کو وہ سزا ملنی چاہئے جس کے وہ حقدار ہیں، اگر انھیں امراء کی طرح معمولی تنبیہ کی جائے گی تو ان کے دماغ خراب ہوجائیں گے''۔

رومی تہذیب میں غلاموں کو سخت سزائیں دی جاتی تھیں، رات کے وقت انھیں زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا، ان کے سر کے نصف بال مونڈ دئے جاتے، تا کہ وہ فرار ہوں تو آسانی سے پہچان لئے جائیں، آقا کو اجازت تھی کہ سزا کے لئے غلاموں کو کوڑوں سے مارے، یا ان کے اعضاء کاٹ لے، چاہے تو قتل بھی کر دے، جب آقا گھوڑے پر سوار ہوتا تو غلام ننگے پاؤں آگے آگے بھاگتے تھے، بعض اوقات آقا اپنے غلام کی پیٹھ پر بھی شوق سے سواری کرتے تھے، اور اس کی سست گامی پر اسے جانور کی طرح کوڑوں سے لہولہان کر دیتے تھے، رومی کسی علاقہ پر فتح حاصل کرتے تو بیشمار لوگوں کو غلام بنا کر فروخت کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ رومی مملکت میں قیدیوں کی گنتی کی گئی تو چھ کروڑ تھے، غلاموں کی اجتماعی اموات کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی تھی، سب سے روح فرسا وہ موقع ہوتا تھا، جب اجتماعی طور پر انسانوں اور درندوں کی باقاعدہ جنگ کرائی جاتی تھی، جولیو گلیڈ خاندان جس نے روم پر کئی سو سال تک بادشاہت کی، اس نے اپنے دورِ حکمرانی میں گلیڈ یٹر کے نام سے ایک وحشیانہ کھیل شروع کیا تھا، گلیڈ یٹر ایسے قیدی اور غلام ہوتے تھے جنہیں پالتو کتوں کی طرح پالا اور پوسا جاتا تھا، سالانہ فیسٹول کے لئے انہیں تیار کیا جاتا تھا، مقررہ وقت پر بڑے میدان میں تماش بیں لوگوں کا انبوہ جمع ہوتا بادشاہ موجود ہوتا اور ان قیدیوں اور غلاموں کو جنہیں طویل عرصہ سے سدھایا گیا ہوتا، ہتھیاروں کے ساتھ میدان میں آنے کا حکم دیا جاتا، پھر ان پر ان وحشی درندوں کو چھوڑ دیا جاتا، جنہیں کئی دن سے بھوکا رکھا گیا ہوتا، شیر، چیتے، ریچھ ان پر ٹوٹ پڑتے، اور وہ گلیڈ یٹر اپنے ہتھیاروں کے ساتھ بھوکے درندوں کا مقابلہ کرتے، میدان، انسان اور حیوانوں کے خون سے بھر جاتا، مؤرخین کا محتاط اندازہ یہ ہے کہ اس کھیل میں ہر سال کم از کم آٹھ ہزار گلیڈ یٹر مارے جاتے، روم میں یہ کھیل کئی سو سالوں تک جاری رہا، ٹیٹس رومی نے ایک بار پچاس ہزار درندے جمع کر کے انہیں ہزاروں قیدیوں پر چھوڑ دیا، بعض مقابلوں میں بیک وقت گیارہ ہزار درندوں اور دس ہزار غلاموں کو لڑایا جاتا، کبھی ان غلاموں کو آپس میں بھی لڑایا جاتا، گلاویوس نے ایسے ہی ایک کھیل میں انیس ہزار غلاموں کو تلواریں دے کر باہم لڑا دیا، سلطنت روما کی ساری تعمیرات اور جنگی مہمات یہی غلام انجام دیتے تھے، لیکن اس کے بدلہ انہیں جو غذا دی جاتی وہ جانوروں کے چارے سے بدتر ہوتی تھی، انھیں صاف پانی پینے کا حق نہیں تھا، گدلا پانی دیا جاتا تھا، مغرب میں انسانی حقوق کی پامالی اور

غلاموں پر ظلم کا بھیانک دور اس وقت شروع ہوا جب یہودی کپتان کولمبس ہندوستان کی تلاش میں امریکہ پہونچا، وہاں کے مقامی باشندے ریڈ انڈینز میں سے پچاس کو اپنے ساتھ اسپین لے گیا، جہاں انھیں غلام بنا کر فروخت کیا، لاس کیسس نامی مشہور مؤرخ ریڈ انڈینز کے ساتھ اس کی قوم کے ظالمانہ سلوک کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''ہسپانیوں نے ان بچوں کی ٹانگیں کاٹ دیں، جوان سے ڈر کر بھاگ رہے تھے ان لوگوں پر کھولتا ہوا صابن انڈیلا، پھر وہ شرطیں لگا کر تلوار کے ایک وار سے انسانی جسموں کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا کھیل کھیلنے لگے، خونخوار کتوں کو سراسیمہ لوگوں پر چھوڑ دیا گیا، جنھوں نے آناً فاناً انھیں چیر پھاڑ کر رکھ دیا، کتوں کی کارگزاری پر انھیں انعامی خوراک یہ دی گئی کہ نومولود بچوں کو ان کے سامنے پھینک دیا گیا''(غلامی ایک تاریخی جائزہ، مصنف میاں اشرف)

یہ تو مغربی تہذیب میں غلاموں کی بدترین صورت حال کی ایک جھلک تھی، اہل مغرب غلامی کے حوالہ سے اسلام پر انگشت نمائی کرتے ہیں، جب کہ خود مغربی تہذیب اس سلسلہ میں انتہائی داغدار ہے، اس کے برخلاف اسلام نے صدیوں سے چلی آرہی غلامی کے خاتمہ کے لئے مؤثر اقدامات کئے، اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے ایسے نمونے پیش کئے جن کا دوسرے مذاہب میں تصور بھی ممکن نہیں، غلاموں کے علاوہ عام انسانیت اور اقوام عالم کے ساتھ مغربی تہذیب اور اس کے پیروکاروں نے ایسے ایسے مظالم ڈھائے کہ جن کے تصور ہی سے جسم پر کپکپی طاری ہوجاتی ہے، اہل مغرب مسلمانوں اور اسلام پر جنگی جنون کا الزام لگاتے ہیں، اور خود کو انسانی حقوق کا علمبردار اور احترام انسانیت کے ٹھیکے دار قرار دیتے ہیں، جب کہ جنگوں کے حوالوں سے یورپ کی تاریخ جس قدر المناک ہے کسی دوسری قوم کی نہیں ہے، معروف تجزیہ نگار اوریا مقبول جان لکھتے ہیں:

''یورپ کی آپس میں جنگوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو دنیا میں کسی بھی دوسرے علاقوں میں ہونے والی خوں ریزی بھول جاتی ہے، میں قدیم تاریخ میں جانا نہیں چاہتا، صرف چند صدیاں پہلے کی جنگوں کا حال پڑھ کر یوں لگتا ہے کہ یورپ کو سوائے جنگ کرنے اور قتل وغارت گری کے اور کوئی کام ہی نہ تھا، انگلینڈ اور فرانس کے درمیان ۱۱۶ سال جنگ جاری رہی، جس کے بعد سو سالہ جنگ کا محاورہ ایجاد ہوا، میلانونس اور فلورنس کے درمیان ۲۵ سال جنگ چلتی رہی، ڈنمارک اور سویڈن کے درمیان اور اسپین اور ہالینڈ کے درمیان نیز انگلینڈ اور ہالینڈ کے مدت تک جنگ ہوتی رہی، الغرض کوئی سال ایسا نہیں

ہے کہ یورپ کے کسی نہ کسی خطے میں جنگ نہ چلی ہو یا پھر اندرونی طور پر ملکوں میں قتل وغارت گری نہ رہی ہو، دنیا کی تاریخ کی خوفناک اور ہیبت ناک آخری جنگیں بھی یورپ کی سرزمین سے شروع ہوئیں اور پھر انھوں نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، جنگ عظیم اول اور جنگ عظیم دوم میں جتنے افراد مارے گئے پوری انسانی تاریخ میں مارے جانے والے افراد کی کل تعداد سے بھی زیادہ ہوں گے''۔

جنگ عظیم اول ۱۵ ر ماہ جاری رہی،، کئی کروڑ افراد اس جنگ میں براہِ راست ملوث تھے، ۵۸ لاکھ سے زیادہ افراد لقمہ اجل بن گئے، ۲ ر کروڑ ۲۰ لاکھ زخمی ہوئے، ۸۵ ر لاکھ لاپتہ ہوئے، ۴ کھرب ڈالر کا نقصان ہوا، دوسری جنگ عظیم میں ایک کروڑ پچاس لاکھ ہلاکتیں ہوئیں، بے شمار زخمی اور لاپتہ ہو گئے، ایک اور جہت سے دیکھا جائے تو مجموعی طور پر سیکڑوں بڑی جنگیں ہوئیں، جن میں گھر جلے، شہر ویران ہوئے اور لاشیں گریں، ان ساری جنگوں کے پیچھے ایک ہی ملک اور ایک ہی قوم تھی، یعنی اور امریکہ اور امریکی، بعض جنگیں امریکہ نے براہ راست لڑیں، بعض میں شریک ہوا، اور بعض میں اس کا اسلحہ استعمال ہوا، ان جنگوں میں ایک کروڑ نوے لاکھ تہتر ہزار انسان ہلاک ہوئے، افغانستان، عراق اور شام کا مسئلہ تو بالکل تازہ ہے، جہاں مغربی شاطروں کی سازشوں نے بموں کی بوچھار کر کے اور ظالموں کا ساتھ دے کر لاکھوں بے قصوروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، شام اور عراق جیسے سرسبز وشاداب عرب ملکوں کو کھنڈرات میں تبدیل کر کے رکھ دیا، بوسنیا میں ان تن کے گوروں اور من کے کالوں نے جو قیامت ڈھائی وہ مغربی تہذیب کے ماتھے پر ایک ایسا داغ ہے جو دھلائے نہیں دھلے گا، دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد اسرائیل گذشتہ ساٹھ برس سے فلسطینیوں پر مظالم ڈھا رہا ہے، اور امریکہ اس کی بھرپور پشت پناہی کر رہا ہے، بھلا جس تہذیب میں انسانی خون کی ارزانی ہو، اور جو تہذیب اپنے ہی جیسے انسانوں کو محض رنگ ونسل اور مذہب کے اختلاف کی بنیاد پر جینے کے حق سے محروم رکھتی ہو جس میں گوروں کا خون قابل احترام اور دوسروں کا پانی سے ارزاں ہو، کیا ایسی تہذیب اس لائق ہے کہ اسے گلے سے لگایا جائے؟ دنیا کا کونسا خطہ ہے جس کے ساتھ امریکہ نے براہ راست یا بالواسطہ جارحیت کا مظاہرہ نہ کیا ہو؟ جس تہذیب نے پوری کی پوری نسلوں کو تباہ کیا ہو وہ کیوں کر لائق تقلید قرار دی جا سکتی ہے؟

اب ذرا مغربی تہذیب کے سماجی، خاندانی اور اخلاقی پہلو کی طرف آئیے، اخلاق وانسانی اقدار حیا ومروت، عفت و پاکدامنی اور خاندانی استحکام کے نقطہ نظر سے مغربی تہذیب کو پرکھا جائے تو اس کی بنیادیں انتہائی کھوکھلی نظر آئیں گی، آزادانہ اختلاط، بے لگام لذت کیشی، جنسی انارکی، فحاشی وبے حیائی، شادی کے بندھنوں سے آزاد ہو کر مرد وزن کی شہوت رانی، ہم جنس پرستی وغیرہ ایسے ناسور ہیں جنھوں نے

اس تہذیب کے مستقبل پر سوالیہ نشان لگا دیا ہے، مغربی تہذیب میں خاندان کا تصور ناپید ہوتا جا رہا ہے، اول تو قانونی شادی سے گریز کیا جاتا ہے، پھر جو شادیاں ہوتی ہیں ان میں سے بیشتر کا انجام فوری طلاق کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، الموںڈ نامی ایک فرنچ اخبار مغرب کی موجودہ صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> ''مغربی معاشرہ تہذیب وتمدن کے دائروں سے نکل کر اس جنگلی نظام زندگی میں داخل ہونے جا رہا ہے جس میں جانور رہتے ہیں، انسانی معاشرے جو تہذیب وتمدن کی بنیادیں رکھتے ہیں، اس کی بنیادی اینٹ خاندان کا ادارہ ہے، اگر وہ ختم ہو گیا تو معاشرت ہی ٹوٹ کر بکھر جاتی ہے، پھر انسانوں کی کسی قسم کی اجتماعی ہیئت نہیں بن سکتی''۔ (بحوالہ الفرقان)

مغربی تہذیب میں شادیوں کی صورت حال انتہائی ابتر ہے، نیشنل فرنچ انسٹی ٹیوٹ فار ڈیمو گرافک ریسرچز کی ایک رپورٹ کے مطابق ہر ۱۰ر جوڑوں کے مقابلہ میں ۹ ر کسی عرفی یا دینی شادی کے بغیر ایک ساتھ رہتے ہیں، جوان جوڑوں میں آدھے سے زیادہ گھر بغیر کسی قانونی ضابطے کے ایک ساتھ رہتے ہیں، ۳۵ فیصد ولادتیں ایسے ہی جوڑوں کے یہاں ہوتی ہیں، اور ان میں ۵۲ فیصد بچے زندگی بھر باپ کے چہرہ کو ترستے رہتے ہیں، فرانس میں تقریباً سالانہ ۷ لاکھ بچے پیدا ہوتے ہیں، اور اس میں سے تقریباً ۱۰ ہزار بچوں کی ماؤں کی عمر ۱۰ سے ۱۳ سال تک ہوتی ہے، جو اپنے اسکول سے یہ تحفہ بھی ساتھ لاتی ہیں، اور اسی رپورٹ نے بجا طور فرنچ انتظامیہ کو اس تعداد پر قابو رکھنے اور اس کو دس ہزار تک محدود رکھنے تک داد دی ہے کہ اس نے بچوں میں مانع حمل وسائل تقسیم کر کے اس پریشان کن صورت حال کو قابو میں رکھنے کی قابل ستائش کوشش کی، اس مقصد کے لئے اسکولوں میں خصوصی میڈیکل اسٹورس کھولے گئے، اور ان وسائل کے استعمال کی تربیت کے لئے نرسوں کی ڈیوٹی لگائی گئی (بحوالہ ہفت روزہ المجتمع، کویت صفر ۱۲ ۱۴ھ) سویڈن میں ۵۶ فیصد طلاق ہو جاتی ہے، امریکہ میں طلاق کا تناسب ۵۴ فیصد ہے، جرمنی میں ۵۳ فیصد اور روس میں ۳۳ فیصد ہے (مجلہ البیان، لندن اپریل، مئی ۲۰۰۰ء) امریکہ کے ایک معروف ادارے ایسوسی ایشن آف امریکن یونیورسٹیز نے حال ہی میں ایک سروے کروایا جس کے مطابق امریکہ میں ایک چوتھائی (ہر چار میں سے ایک) طالبات یونیورسٹی کیمپس میں جنسی حملوں اور غلط طرز عمل کا شکار ہوتی ہیں، یہ سروے امریکا کی ۲۷ اعلیٰ یونیورسٹیوں بشمول ہارورڈ یونیورسٹی کروایا گیا، جس میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ طالبات سے جنسی حملے اور زیادتی کے متعلق ان کے تجربات کے بارے میں پوچھا گیا، ۲۷ یونیورسٹیوں کی ۲۳.۱ فیصد انڈر گریجویٹ طالبات نے بتایا کہ انھیں جبری طور پر جنسی حملے کے تجربہ سے گزرنا پڑا۔

عورت کسی بھی معاشرہ میں خاندانی عمارت کی اینٹ ہوتی ہے،لیکن مغربی تہذیب میں جوخود کوحقوق نسواں اور تحفظ نسواں کی علمبردار کہتی ہے،عورت کی حیثیت بس جنسی تسکین کے سامان کی ہے،عورت کا رول بس اتنا ہے کہ وہ مرد کے لئے اپنے جسم کی نمائش کرے،مغرب میں ہر تاجر اپنے سامان کے ساتھ عورت کی بھی تجارت کرتا ہے،کوئی اشتہار عورت کی نیم عریاں تصویر سے خالی نہیں ہوتا،مساواتِ مرد وزن کا دلفریب نعرہ دے کر اس پر دوہری ذمہ داری ڈالی گئی،وہ گھریلو ذمہ داریوں کے ساتھ مرد کے شانہ بشانہ معاش کی دوڑ میں بھی شامل کی گئی،پھر عریاں تہذیب میں طلاق کی کثرت اور بوائے فرینڈ اور گرل فرینڈ کے کلچر نے اسے ذہنی تناؤ کا شکار بنادیا،اس وقت مغرب میں گھر سے باہر کام کرنے والی اکثر عورتیں نفسیاتی اور اعصابی بیماریوں کا شکار ہیں،امریکہ میں ۸۴ فیصد سویڈن میں ۷۶ فیصد اور جرمنی میں ۷۳ فیصد ملازمت پیشہ خواتین دماغی اور نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہیں۔

یہ مغربی تہذیب کے تاریک پہلوؤں کی ایک جھلک ہے،جس کسی میں تھوڑی بہت انسانیت کی رمق ہو وہ اس گندی تہذیب کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا،مگر افسوس ہے ان لوگوں پر جو آنکھوں پر پٹی باندھ کر مغرب کی گن گاتے رہتے ہیں،اس وقت سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ عالم انسانی کو اس حیا سوز تہذیب کے چنگل سے آزاد کرایا جائے،اور یہ تب ہی ممکن ہے جب اسلامی تہذیب کو خوب فروغ دیا جائے،ان دونوں تہذیبوں میں بعد المشرقین ہے۔

ٹیوشن نہیں پڑھاؤں گا

حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندویؒ فرماتے ہیں :

’’ایک مرتبہ مدرسہ کے ذمہ دار مولانا عبدالوحید صاحب فتح پوری میرے پاس تشریف لائے اور نہایت خیرخواہانہ انداز میں مجھ سے فرمایا کہ چونکہ آپ کی تنخواہ کم ہے اگر آپ کچھ ٹیوشن کرلیں تو بہتر ہوگا۔اس طرح کچھ آمدنی کی شکل ہوجائے گی،پھر کچھ گھروں کے پتے بتلائے کہ فلاں فلاں گھر میں ٹیوشن مناسب رہے گا۔حضرت نے فرمایا کہ ان کے اس کہنے کی وجہ سے میں سکتہ میں آ گیا اور ان کو اوپر سے نیچے تک میں نے دیکھا اور عرض کیا کہ مولانا کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں پیسہ کمانے اور تنخواہ کی وجہ سے یہاں آیا ہوں؟اگر پیسہ کمانا ہی مقصود ہوتا تو یہاں نہ آتا۔پھر حضرت نے فرمایا کہ گھر جا کر ٹیوشن پڑھانے میں اہل علم کی اہانت اور دین کی بڑی ناقدری ہوتی ہے۔کسی کو پڑھنا ہوتو یہاں آئے میں بغیر پیسے لئے پڑھادوں گا لیکن کسی کے گھر میں پڑھانے نہیں جاسکتا۔میں نہ خود اس کو پسند کرتا ہوں نہ دوسرے اہل علم کے لئے بہتر سمجھتا ہوں۔ (حیات صدیق ص ۳۱۰ :)

حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی علیہ الرحمہ

مولانا مفتی ریاست علی قاسمی رام پوری

نام ونسب:

آپ کا اسم گرامی عبدالعلیم فاروقی اور والد کا اسم گرامی حضرت مولانا حافظ عبدالسلام فاروقی (ولادت ۱۹۰۷ء، وفات ۱۹۷۳ء) اور جدامجد کا نام امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ (ولادت ۱۸۷۸ء مطابق ۲۳ رذی الحجہ ۱۲۹۳ھ، وفات ۲۳: اپریل ۱۹۶۲ء مطابق ۱۷ رذی قعدہ ۱۳۸۱ھ) ہے۔

آپ کا سلسلۂ نسب ۳۲ واسطوں سے امیر المومنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، سلسلۂ نسب اس طرح ہے:

مناظر اسلام حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقیؒ، ابن حضرت مولانا عبدالسلام صاحب فاروقیؒ ابن امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقیؒ ابن مولوی حافظ ناظر علی ابن حکیم فضل علی ابن قادر علی ابن رحمت علی ابن مظہر علی ابن حبیب علی ابن مولانا محمد شاکر ابن مولانا قاضی عصمت اللہ ابن مولانا عبدالقادر (اول) ابن مخدوم سلطان ابن مخدوم الہ داد ابن مخدوم لاد ابن مولانا شیخ فرید ابن مولانا عبدالقادر محدث (دوم) ابن مولانا قطب الدین محدث ابن مولانا خضر محدث ابن سلطان حسین (اول) ابن سلطان مبارک ابن سلطان عثمان ابن امیر محی الدین ابن امیر غیاث الدین ابن ابوبکر ابن حسین (دوم) ابن شیخ فریدالدین ابن عبدالکریم ابن شیخ عبدالعزیز ابن شیخ عبداللطیف ابن شیخ عبدالجلیل ابن حضرت عبیداللہ ابن حضرت عبداللہ ابن امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ (حیات امام اہل سنت)

آپ کا وطن اصلی اور جائے ولادت اور مقام سکونت کاکوری ضلع لکھنؤ صوبہ اتر پردیش ہے۔ مشرقی یوپی کا وہ خطہ جو اودھ کہلاتا ہے، اس کے اکثر وبیشتر مقامات قصبات و دیہات بہت مشہور ہوئے ہیں، انہی مشہور بستیوں میں قصبہ کاکوری ایک منتخب روزگار قصبہ ہے جہاں اسلامی دور حکومت سے برطانوی دور حکومت کے اختتام تک باکمال شخصیات پیدا ہوئی ہیں قلم، علم وعمل، تدبیر وسیاست وغیرہ ہر لائن سے باکمال ثابت ہوئے ہیں، جنھوں نے اپنے وطن کی تاریخ کو ملک میں ممتاز مقام سے نوازا ہے۔

قصبہ کا کوری صوبہ اتر پردیش کی راجدھانی لکھنؤ سے ۹ ر میل مغرب میں مرادآباد جانے والی ریلوے لائن پر واقع ہے اور اس نام سے اس کا ریلوے اسٹیشن بھی ہے۔ اس سے چند میل کے فاصلہ پر آموں کی مشہور منڈی ملیح آباد واقع ہے۔

کسی زمانہ میں یہ علاقہ راجہ ککور کی عملداری میں تھا اس وجہ سے اس کا نام کا کوری مشہور ہو گیا۔ پہلے یہ علاقہ ضلع لکھنؤ کے تحت ایک قصبہ کی حیثیت سے معروف ومشہور تھا لیکن اگست ۱۹۴۷ء کے بعد یہ قصبہ شہر لکھنؤ کا حصہ اور محلہ ہو گیا ہے۔

اس تاریخی شہر اور مشہور علمی خاندان میں آپ کی ۱۹۴۸ء میں پیدائش ہوئی۔ آپ کے جدامجد مولانا عبدالشکور لکھنویؒ اور پدر بزرگوار حضرت مولانا عبدالسلام صاحب فاروقیؒ طبقۂ علماء میں امتیازی حیثیت کے مالک ہیں۔ تذکرہ نگاروں نے دونوں بزرگوں کے مفصل حالات قلم بند فرما کر بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے عظیم سرمایہ پیش کر دیا ہے۔ اس لیے ان کے تذکرہ سے گریز کیا جارہا ہے۔ تفصیل کے لیے ''امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ حیات وخدمات'' کا مطالعہ کیا جائے۔

تعلیم وتربیت:

آپ کی تعلیم وتربیت کا آغاز اپنے وطن شہر لکھنؤ سے ہوا اور آپ نے ابتدائی تعلیم ناظرہ قرآن کریم، اردو، دینیات، درجات پرائمری، ریاضی وحساب، عرائض نویسی وغیرہ کی تعلیم لکھنؤ کی دانش گاہوں میں حاصل کی۔

تحفیظ القرآن اور ابتدائی فارسی وعربی کی تعلیم:

اس کے بعد آپ کے والد محترم نے آپ کا داخلہ ۱۹۵۸ء میں ادارہ محمودیہ قصبہ محمدی ضلع لکھیم پور کھیری یوپی میں کرادیا یہاں آپ نے قرآن کریم مکمل حفظ اپنے بہنوئی جناب قاری صبیح الدین صاحبؒ کے پاس کیا۔ قاری صاحب موصوف اس زمانہ میں ادارہ محمودیہ محمدی میں شعبہ تحفیظ القرآن مین نامور اور بافیض استاذ تھے بعد میں موصوف نے کافی عرصہ کے بعد ادارہ محمودیہ سے علیحدہ ہو کر محمدی ہی میں جامعہ حسینیہ کے نام سے دوسرا ادارہ قائم فرمالیا تھا چونکہ حضرت قاری صاحبؒ آپ کے حقیقی بہنوئی ہوتے تھے، اس قرابت قریبہ کی وجہ سے آپ کے والدین نے کم عمری کے باوجود آپ کو وطن

کے دور حصول علم کے لے بھیجنے کا ارادہ کیا تھا۔ یہاں آپ نے قرآن کریم حفظ کے ساتھ دور قرآن کریم بھی مکمل کیا اور قرآن کریم پختہ یاد کرنے کے بعد ابتدائی فارسی وعربی کی کتابیں سال سوم عربی تک پڑھیں۔ آپ کے عربی وفارسی کی کتابوں کے اساتذہ کرام میں حضرت مولانا حکیم نظام الحق صاحب مہتمم ادارہ محمودیہ کے علاوہ حضرت الاستاذ مولانا مفتی حبیب الرحمن صاحب خیرآبادی مدظلہ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند قابل ذکر ہیں۔ مفتی صاحب موصوف دارالعلوم دیوبند سے پہلے مدرسہ حیات العلوم مرادآباد اور اس سے پہلے ادارہ محمودیہ محمدی میں تدریس وافتاء کے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔ رب ذوالجلال حضرت مفتی صاحب کے سایۂ عاطفت کو عرصۂ دراز تک امت مسلمہ کے سروں پر قائم وباقی رکھے۔

مظاہر علوم سہارن پور میں داخلہ:

۱۹۶۶ء مطابق ۱۹۸۶ھ میں آپ نے متوسطات کی تعلیم کے لیے مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا یہاں آپ نے شرح جامی بحث اسم، شرح وقایہ، کنز الدقائق وغیرہ کتابوں سے اپنی تعلیم کا آغاز فرمایا اور موقوف علیہ تام، مشکوۃ المصابیح، ہدایہ اخیرین تک درس نظامی کی تمام کتب جامعہ کے مؤقر اساتذہ کرام سے پڑھیں۔ یہاں آپ کے اساتذہ کرام میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جونپوریؒ اور حضرت مولانا محمد عاقل مدظلہ، حضرت مولانا وقار علی بجنوری، حضرت مولانا محمد اللہؒ، مولانا محمد سلمان مظاہری وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ رفقاء درس میں مولانا سید محمد شاہد سہارنپوریؒ، حضرت مولانا زبیر الحسن کاندھلویؒ، مولانا وسیم احمد سنسارپوریؒ، حضرت مولانا حبیب اللہ چمپارنی مہاجر مدنیؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مظاہر علوم قیام کے زمانہ میں حضرت مولانا اسعد اللہ رام پوریؒ ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے خصوصی خادم رہے اور ان سے روحانی وعلمی افادات حاصل کرتے رہے، اس کے علاوہ شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کی مجالس سے بھی آپ مستفید ہوتے رہے۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ:

مظاہر علوم سہارن پور کے بعد آپ نے صحاح ستہ کی کتابوں کی تعلیم کے لیے ۱۹۶۸ء کے اواخر میں ماہ شوال ۱۳۸۸ھ میں آپ نے ام المدارس دارالعلوم دیوبند میں داخلہ

لیااور صحاح ستہ کی کتابیں پڑھ کر دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ یہاں آپ کے دورۂ حدیث شریف کے اساتذہ کرام میں فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین صاحب ہاپوڑی ثم مرادآبادی شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ مفتیٔ اعظم دار العلوم سے آپ نے بالترتیب بخاری شریف اول اور ثانی پڑھی۔ اس کے علاوہ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند، حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحب مرادآبادی، حضرت مولانا شریف الحسن صاحب دیوبندی، حضرت مولانا اسلام الحق صاحب اعظمی وغیرہ آپ کے اساتذہ کرام میں قابل ذکر ہیں۔

دار المبلغین لکھنؤ میں تقرر اور درس وتدریس کا آغاز:

دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد اپنے جد امجد کے قائم کردہ ادارہ دار المبلغین لکھنؤ میں آپ کا تقرر ہو گیا اور ابتداء ہی سے آپ اس ادارہ میں تدریس کے ساتھ ادارہ کے اہتمام وانصرام سے وابستہ رہے اور اپنے جد امجد کے لگائے ہوئے پودے کی آبیاری اور اس کو تناور اور سایہ دار درخت بنانے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتوں اور قوتوں کو آپ نے استعمال فرمایا اور ادارہ کو ترقیات کے بام عروج پر پہنچانے کے لیے اپنی صلاحیتوں کو آپ نے صرف فرمایا اور زندگی کے آخری لمحات تک یہ خدمت آپ سے وابستہ رہی۔

آپ نے اپنی خداداد صلاحیت، علمی قابلیت اور کمال استعداد کے پیش نظر دار المبلغین لکھنؤ کے زیر اہتمام جہاں تشنگانِ علوم ومعرفت کی علمی تشنگی بجھائی وہیں دوسری طرف دفاع عن الاسلام اور حقانیت وصداقت اسلام کے جھنڈے بھی گاڑے۔ دار المبلغین میں صرف درس وتدریس کی رونقیں اور تکرار ومطالعہ کی محفلیں ہی قائم نہیں تھی؛ بلکہ اس ادارہ سے فیض پانے والے محسوس کرتے تھے کہ یہاں دفاع عن الاسلام کا فریضہ بھی انجام دیا جاتا ہے، یہاں اسلام کی حقانیت وصداقت کی آواز بھی پوری قوت اور طاقت سے بلند کی جاتی ہے، یہاں اشاعت اسلام اور دعوت وتبلیغ کے کام کو زندگی کا اولین فریضہ تصور کیا جاتا ہے اور طالبانِ علوم نبویہ کے اذہان وقلوب میں اس فریضہ کو پوری اہمیت کے ساتھ راسخ کرا دیا جاتا ہے اور دار المبلغین کے پلیٹ فارم سے ناموس صحابہ، عظمت صحابہ، مدح صحابہ رضی اللہ عنہم کے ترانے اور نغمے پوری قوت سے گائے جاتے ہیں۔

دینی اداروں اور تنظیموں کی سرپرستی اور رکنیت:

آپ مجلس تحفظ ناموس صحابہ لکھنؤ، مجلس تحفظ ختم نبوت لکھنؤ کے صدر تھے اور دینی تعلیمی ٹرسٹ لکھنؤ کے چیئرمین تھے۔ آپ نے اولین دو تنظیموں کے صدر کی حیثیت سے صحابہ کرام کی عظمت وناموس کی حفاظت اور مدح صحابہ کی تحریک میں اپنی تمام تر توانیاں اور صلاحیتیں استعمال کرتے ہوئے کلیدی رول ادا کیا۔ مدح صحابہ، تحفظ ناموس صحابہ، عظمت صحابہ، منقبت صحابہ، مدح صحابہ کا کام چونکہ آپ کو خاندانی طور سے وراثت میں ملا تھا؛ اس لیے مذکورہ عناوین اور موضوعات پر آپ کھل کر بولتے تھے۔ اور ان موضوعات پر آپ کا مطالعہ بھی انتہائی گہرا اور وسیع تھا اور جب آپ مذکورہ موضوعات پر خطاب فرماتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شیر دہاڑ رہا ہے اور آپ فریق مخالف کے خلاف شمشیر برہنہ اور تیغ براں معلوم ہوتے تھے۔ اس کے ذیل میں ردشیعیت اور ردرافضیت پر بھی آپ خوب وضاحت کے ساتھ خطاب فرماتے تھے۔ اہل تشیع کی عبارات کو زبانی پڑھ کر سناتے تھے اور مسئلہ کے مالہ وماعلیہ پر مکمل طور سے آپ قدرت رکھتے تھے۔ ماہ محرم الحرام کے موقع پر ہر سال ملک بھر سے دیگر مؤقر علماء کرام بھی دعوت دیتے تھے اور اپنے زیر اہتمام ان علماء کرام کے خطابات ردشیعیت اور مدح صحابہ کے عنوان پر کراتے تھے۔ اس کے علاوہ ردقادیانیت، ردرضاخانیت، ردغیرمقلدیت بھی آپ کے پسندیدہ اور دلچسپی کے موضوعات تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کے خلاف ہونے والے ہر حملہ آور کا آپ دندان شکن جواب دینے پر مکمل قدرت رکھتے تھے، آپ کا فرق باطلہ اور فرق ضالہ کی تردید کے حوالہ سے امتیازی مقام تھا اور اس سلسلہ میں آپ ہندوستان کے نامور مقرر اور خطیب کے طور پر متعارف تھے اور ہر اسٹیج کی آپ رونق تھے اور ملت اسلامیہ کے لیے آپ عظیم سرمایہ کی حیثیت رکھتے تھے۔

جمعیۃ علماء ہند سے تعلق:

جمعیۃ علماء ہند اور اس کے اکابرین سے آپ کا رشتہ اور تعلق جدی اور موروثی تھا۔ آپ کے جدامجد اور پدر بزرگوار بھی جمعیۃ علماء ہند سے قلبی اور روحانی طور سے تعلق رکھتے تھے اور جمعیۃ کے اکابرین سے ان بزرگوں کے گہرے مراسم اور تعلقات تھے، وہی رشتہ آپ کو وراثت میں ملا تھا۔ چنانچہ تعلیمی امور سے فراغت اور دارالمبلغین سے وابستگی کے فوراً بعد ہی آپ نے جمعیۃ علماء ہند سے

عملاً خود کو وابستہ کرلیا ہے اور جمعیۃ علماء ہند کے تعمیری، تنظیمی، تحریکی پروگراموں میں اہتمام کے ساتھ شرکت کرنے لگے تھے پھر کچھ ہی سالوں کے بعد آپ کو جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ اور ورکنگ کمیٹی کا رکن نامزد کیا تھا اور پابندی کے ساتھ آپ جمعیۃ علماء ہند کی مجالس عاملہ اور مجالس منتظمہ اور اجلاسہائے عام میں شرکت فرماتے تھے اور آپ کے پرجوش خطابات سے عوام وخواص مستفید ہوتے تھے۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے دور صدارت میں آپ کو ناظم عمومی کے منصب پر متمکن کیا گیا اور آپ نے ۱۹۹۵ء سے ۲۰۰۲ء تک ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند کے منصب کو رونق بخشی اور ہر اہم اجلاس کی نظامت آپ فرماتے تھے اور سکریٹری رپورٹ بھی آپ ہی پیش کرتے تھے اور ولولہ انگیز خطاب بھی فرمایا کرتے تھے۔ اس کے بعد جمعیۃ علماء ہند کے قضیہ نامرضیہ کے بعد حضرت مولانا سید ارشد مدنی کی جانب سے آپ کو دوبارہ جمعیۃ علماء ہند (الف) کا ناظم عمومی منتخب کیا گیا اور آپ نے ۲۰۰۸ء سے ۲۰۲۰ء تک اس عہدہ پر رہ کر ملک وملت کے لیے عظیم کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ۲۰۲۰ء کے بعد آپ کو جمعیۃ علماء ہند (الف) کا نائب صدر بنایا گیا جس پر تاحیات متمکن رہے اور نائب صدر کی حیثیت سے ملت اسلامیہ کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

امارت شرعیہ ہند کا تعلق:

۱۹۸۶ء میں جب کل ہند طریقہ پر امارت شرعیہ ہند کا قیام عمل میں آیا اور امیر الہند و نائب امیر الہند کا ارباب حل وعقد کے عظیم اجتماع میں انتخاب عمل میں آ گیا تو اس کے بعد صوبائی امارتوں کی تشکیل کا مرحلہ جب شروع ہوا تو کانپور کے عظیم الشان اجلاس میں امارت شرعیہ صوبہ یوپی کی تشکیل ہوئی اور باتفاق آراء امیر الہند محدث کبیر ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمن محدث اعظمیؒ اور نائب امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی موجودگی میں حضرت مولانا معین الدین گونڈویؒ شیخ الحدیث مدرسہ امدادیہ مرادآباد کو امیر شریعت صوبہ یوپی اور حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقیؒ کو نائب امیر شریعت صوبی منتخب کیا گیا پھر کچھ ہی سالوں کے بعد میرٹھ کے ایک اجتماع میں آپ کو امیر شریعت صوبہ یوپی بنایا گیا جس پر آپ تاحیات برقرار رہے اور امارت شرعیہ کے تحت آپ نے ملت اسلامیہ کی عظیم رہنمائی فرمائی اور پابندی کے ساتھ امارت شرعیہ ہند کی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شریک ہوکر مفید مشوروں سے نوازتے رہے۔

دارالعلوم اور دیگر مدارس اسلامیہ کی رکنیت اور سرپرستی:

آپ کی فعال علمی شخصیت اور صائب الرائے ہونے کی وجہ سے آپ کو اراکین شوریٰ دارالعلوم نے ۱۹۹۸ء میں دارالعلوم کی مؤقر مجلس شوریٰ کا رکن رکین نامزد فرمایا جس پر تاحیات مکمل ۲۶ ؍سال تک کام کرتے رہے۔ آپ پابندی کے ساتھ مجلس شوریٰ اور مجلس عاملہ کی میٹنگوں میں شرکت فرما کر ذمہ داران دارالعلوم دیوبند کو مفید مشوروں سے نوازتے تھے۔ اس کے علاوہ دارالعلوم دیوبند میں جب بھی کوئی بڑا اجلاس ہوتا تو آپ کو ضرور مدعو کیا جاتا تھا اور آپ کی ولولہ انگیز اور پرازمعلومات خطاب سے شرکاء اجلاس مستفید ہوتے تھے۔ رکن شوریٰ منتخب ہونے سے پہلے بھی آپ کی بکثرت دارالعلوم دیوبند آمدورفت رہتی تھی۔

ہمارے تعلیمی زمانہ کے اندر آپ دارالعلوم دیوبند میں متعدد مواقع پر تشریف لاتے رہے ہیں۔ مدنی دارالمطالعہ کا سالانہ یا ششماہی پروگرام اسی طرح عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند اور اس کے بعد رابطہ مدارس عربیہ دارالعلوم دیوبند اور تحفظ حرمین اجلاس میں آپ کی تشریف آوری دارالعلوم دیوبند میں ذمہ داران دارالعلوم دیوبند کی دعوت پر ہوئی اور ہر اجلاس میں آپ نے پرمغز خطاب سے شرکاء اجلاس کو مستفید فرمایا۔ اس کے علاوہ آپ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس انتظامی کے بھی رکن رکین تھے اور تاحیات اس ذمہ داری کو بھی نبھاتے رہے۔ اس کے علاوہ متعدد مدارس اسلامیہ کے آپ رکن مجلس شوریٰ اور سرپرست رہے۔

تصوف وسلوک:

اصلاح باطن اور تزکیۂ نفس کے لیے آپ نے شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی، اگرچہ زمانۂ طالب علمی سے ہی حضرت مولانا اسعد اللہ رام پوریؒ خلیفۂ اجل حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے کا آپ کا اصلاحی تعلق قائم رہا لیکن باضابطہ بیعت کا تعلق حضرت شیخ الحدیثؒ سے تعلیمی امور سے فراغت کے بعد قائم ہوا، بیعت ہونے کے بعد آپ حضرت شیخ الحدیثؒ سے برابر مربوط رہے اور شیخ کے تلقین فرمودہ اوراد ووظائف پر پابندی سے عمل پیرا رہے۔ خط وکتابت بھی جاری رکھی، حضرت شیخ الحدیثؒ کی مجالس میں موقع بہ موقع حاضری بھی

ہوتی رہی۔ ماہ رمضان میں گاہے گاہے اعتکاف بھی فرماتے تھے اور حضرت شیخ الحدیثؒ کی حیات مبارکہ کے آخری لمحات تک آپ حضرت شیخ ہی سے وابستہ رہے۔ پھر حضرت شیخ الحدیثؒ کے وصال کے بعد آپ نے صاحبزادۂ شیخ الحدیث مولانا محمد طلحہ کاندھلویؒ سے رجوع فرمایا پھر حضرت پیر صاحبؒ نے آپ کو خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا اور نسبت باطنی کی دولت سے حضرت پیر صاحبؒ کی جانب سے آپ کو نوازا گیا۔

نکاح اور اولاد:

دائرۂ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں مولانا سید محمد مجتبیٰ حسنی نور اللہ مرقدہ کی دختر نیک اختر سے آپ کا نکاح ہوا۔ جن سے آپ کی اولاد میں تین لڑکے مولوی عبدالرحمن فاروقی، مولانا عبدالباری فاروقی، مولانا عبدالمالک فاروقی اور ایک صاحب زادی ہے۔ تینوں لڑکے ماشاء اللہ عالم وفاضل اور حافظ قرآن ہیں، مولانا عبدالباری فاورقی آپ کی وفات کے بعد آپ کے جانشین ہیں اور دارالمبلغین کے مہتمم اور روح رواں ہیں اور دونوں بھائی اپنے بھائی کے معاون ہیں اور ملت اسلامیہ کی رہنمائی اور اپنے بزرگوں کی روایات کو جاری رکھنے میں مصروف ہیں۔ داماد بھی ماشاء اللہ عالم فاضل اور دارالعلوم کے فارغ التحصیل ہیں۔ اس وقت قطر میں مقیم ہیں۔ رب ذوالجلال سبھی کو صلاح وفلاح کی دولت سے مالامال فرمائے۔

وفات اور تدفین:

آپ مختصر علالت کے بعد مؤرخہ ۱۴؍شوال المکرم ۱۴۴۵ھ مطابق ۲۴؍اپریل ۲۰۲۴ء بروز بدھ بعد نمازِ فجر ۷۶؍سال کی عمر میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے اور آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر کے اعلیٰ علیین میں جا پہنچی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسی دن بعد نمازِ عصر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے وسیع وعریض صحن میں آپ کے جانشین اور فرزند جناب مولانا عبدالباری فاروقی مدظلہ کی امامت میں آپ کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور عیش باغ کے قبرستان میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ نماز جنازہ میں ہزاروں عوام وخواص نے شرکت فرمائی جس میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ذمہ داران، اساتذہ کرام اور طلبہ عظام نے شرکت کی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے۔